شُد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیر ہا

صحابیت

مؤلفہ

حافظ علی بہادر خاں بی۔ ایس سی

(علیگ)

مطبوعہ ——————— انٹرنیشنل پریس کراچی

ناشر ——————— خالد علی خاں و سیّد عبدالرؤف وارثی

قیمت ———————

ملنے کا پتہ

مکتبہ "دورِ جدید" ۵/۸۴ ، ۷ ڈرگ کالونی

کراچی نمبر ۲۵

فہرست مضامین

تمہید

صحابی کی تعریف میں اختلاف کیوں ؟ ۱۳
عدالت صحابہ کی تائید میں قرآنی آیات

باب اول ۱۶

صحابہ اور صحابہ میں فرق ۲۳
حدیثوں کا وقت و سبب ورود ۴۲

باب دوم

فتح مکہ کے بعد انقلاب ۵۶

باب سوم

اصحابی کالنجوم "میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں" ۷۱

باب چہارم

صحابہ اور دوزخ ۸۰
ایک اموی سردار کا عبرت انگیز واقعہ ۸۷

باب پنجم

قرآن وحدیث پر صحابہ کا اختلاف ۹۵
عبداللہ ابن مسعود کا قرآن ۹۷
ابی ابن کعب کا قرآن ۹۸

باب ششم

صحابہ اور حدیث ۱۱۰

باب ہفتم

معاویہ اور صحابیت ۱۴۲
انصار اور معاویہ ۱۴۳

باب ہشتم

بیعت کے متعلق صحابہ کے نظریات ۱۶۷

مخالفت اسلام کے تدریجی مظاہرے ۱۶۳
حضرت عثمانؓ بن حنیف کی زندگی کا عجیب واقعہ ۱۶۹

باب ــ ۵

صحابہ اور فقہی مسائل ۱۹۹
کنز پر اختلاف ″
کنز کے متعلق ابوذرؓ کا جواب الجواب ۲۰۳
نماز عصر اور فجر کے بعد نماز ۲۰۵
بہترین اعمال ۲۰۷
وجوب وتر ۲۰۹
تارک نماز کا قتل ۲۱۰
نمازوں کو جمع کرنا ۲۱۳
سیاہ اور سفید ڈورے ۲۱۴
احرام کی حالت میں خوشبو ۲۱۹
کئی جمع کے بعد ایک غسل ۲۲۰
اللہ کو دیکھنے پر اختلاف ۲۲۳
حرامی لڑکا ۲۳۵
سماع موتیٰ ۲۳۷
باپ بیٹی میں اختلاف ۲۴۱
رسول اللہ سے سوالات ۲۴۲

طلاق کے مسئلہ میں اختلاف	۲۴۳

باب دہم

ایک صحابی کے کارنامے	۲۴۶
اوّلیات معاویہ	۲۴۷
اسلام میں پہلا ظالمانہ قتل	۲۴۹
زندہ دفن کر دیا	۲۵۱
گدھے کی کھال میں صحابی نے صحابی کو جلا دیا	۲۵۲
حدیث رسول کے ساتھ مضحکہ	۲۵۴
حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کی رائے	۲۵۷
معاویہ کے اسلحہ خانہ میں زہر کا حربہ	۲۶۰
دعا کا ڈھونگ	"
ان صحابہ میں سے کس کو مانو گے؟	۲۶۳

باب یازدہم

بی بی عائشہؓ اور حضرت علیؓ (جنگ جمل کا پس منظر)	۲۶۹
حدیث کے بعض قابل ذکر پہلو	۲۷۷

باب دوازدہم

قصاص قتل عثمانؓ کی مہم	۲۹۱

باب سیزدهم

عمرو بن العاص کے تین دور ۲۹۹

باب چہارم

اسلام اور ایمان کے درجے ۳۱۶

خاتمۂ کتاب ۳۲۰

پاکستان

میں اس کتاب کے جملہ حقوق خالد علی خاں مالک مکتبہ
"دور جدید" ۸۴/۵، ڈرگ کالونی کراچی ۲۵ کے نام محفوظ ہیں

ہندوستان

میں اس کتاب کے جملہ حقوق حافظ علی بہادر بی۔ ایس سی
(علیگ) ایڈیٹر "دور جدید" اردو بازار دہلی کے نام محفوظ ہیں۔

تمہید

ایمان والوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت ایسی بیش بہا نعمت ہے جس کی قدر و قیمت کا اندازہ جتنا بھی لگایا جائے کم ہے۔ لیکن جن کے دل ایمان کی دولت سے محروم ہیں اُن کے لئے یہ بیش بہا نعمت بالکل بیکار بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ چنانچہ ایسی مثالوں کی کوئی کمی نہیں کہ اللہ کے رسول کی صحبت سے سرفراز ہونے کے باوجود بعض لوگ اسلام سے مرتد ہوگئے۔ اُن میں سے بعض نے رسول اللہ اُس کے پیام کے خلاف محاذ قائم کیا۔ ان میں سے بعض کو رسول اللہ نے قتل کرایا اور بعض کو بددعائیں دیں۔

ایسے لوگوں کی تعداد بھی بہت ہے جنہوں نے اپنے ارتداد کا اعلان نہیں کیا مگر رسول اللہ کی صحبت میں رہ کر منافق رہے۔ ان سے اسلام کو کافی صدمات پہنچے۔ ان منافقوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ایک وہ گروہ تھا جس کے نفاق کا علم رسول اور اُن کے صحابہ دونوں کو تھا۔ عبداللہ ابن اُبی اور اُس کے رفقاء اسی گروہ میں شامل ہیں۔

دوسرا وہ گروہ تھا جس کا علم صرف رسول کو تھا۔ اس کا ثبوت حذیفہ بن الیمان کے حالات سے ملتا ہے وہ "صاحب السر" کہلاتے تھے اور صحابہ کا عقیدہ تھا کہ رسول اللہ نے منافقین کے نام اُن کو بتادیئے تھے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک بار اپنے عہد خلافت میں ان سے دریافت کیا

کہ کیا میرے عمال میں منافق بھی ہیں۔ حذیفہ رض نے جواب دیا کہ ہاں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عمر رض بھی بعض منافقین کو نہیں پہچانتے تھے اور جب حضرت عمر رض نے حذیفہ سے نام پوچھا تو انہوں نے نام بتانے سے انکار کیا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں بعض منافقین ایسے تھے جن کا علم سب کو نہ تھا صرف رسول اللہ کو تھا۔ ان میں سے بعض کے نام حذیفہ بن الیمان کو بتائے تھے اور کسی مصلحت سے ان کو ہدایت کر دی تھیں کہ ان ناموں کو راز میں رکھیں۔

تیسرا گروہ وہ تھا جس کا علم رسول اللہ کو بھی غالباً نہ تھا۔ "غالباً" اس لئے کہا جارہا ہے کہ حدیث میں بعض صحابہ کے دوزخ میں جانے کا واقعہ اس انداز میں آیا ہے کہ یا تو وہ لوگ ایسے منافق تھے جن کے نفاق کا اندازہ رسول اللہ نے نہیں کیا تھا یا پھر وہ صحابہ تھے جن کے دل وفات رسول کے بعد پلٹ گئے تھے۔ یا پھر بعض عہد رسالت میں چھپے منافق تھے اور بعض بعد میں منافقت کرنے لگے۔ یہ احادیث مفصل پیش کی جائیں گی یہاں اتنا ہی اشارہ ضروری ہے کہ بخاری کی کتاب الحوض والی حدیثوں میں بتایا گیا ہے کہ جب رسول اللہ دیکھیں گے کہ ان کو دوزخ میں لے جایا جارہا ہے تو حضور کو تعجب ہوگا کہ یہ میرے ہو کر دوزخ کے مستحق کیوں کر ٹھہرے مگر آپ کو یہ جواب ملے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کی وفات کے بعد انہوں نے اسلامی اصول سے کس طرح روگردانی کی۔

ان واقعات سے یہ نتیجہ ظاہر ہے کہ کسی شخص کا صحابی ہونا اس امر کے لئے دلیل نہیں کہ اعمال سے قطع نظر کر کے بھی اُسے قابلِ احترام سمجھ لیا جائے۔ اگر اعمال اُسے احترام کا مستحق ٹھہراتے ہیں تو اُس کی صحابیت کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ اور اگر اعمال اسلامی نقطۂ نظر سے مذموم ہیں تو صحابی ہونے کے باوجود ہم اُس پر نکتہ چینی کرنے کے حقدار ہیں۔

بیشک اس بارے میں احتیاط و اعتدال کا لحاظ ضروری ہے۔ لیکن احتیاط و اعتدال کے لئے دو شرطیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ صحابی کا غلط فعل اجتہادی اختلاف کے تحت لایا جا سکے یعنی یہ سمجھنے کے قرائن ہوں کہ نیک نیتی کے ساتھ قرآن کی کسی آیت یا رسول کی کسی حدیث کی بنیاد پر لیکن غلط فہمی سے اس صحابی نے یہ فعل اختیار کیا۔ مثلاً بعض صحابہ نے ابتدا میں جنگ جمل میں حضرت علیؓ کا مقابلہ کیا مگر جب اُن کو غلطی کا احساس ہوا تو وہ فوراً میدانِ جنگ سے ہٹ گئے۔ بعض صحابہ نے جنگِ صفین میں اس بناء پر کسی فریق کا ساتھ نہیں دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب مسلمانوں میں باہمی جنگ ہو تو الگ رہنا چاہیئے مگر جب عمار بن یاسر شہید ہوئے تو وہ حضرت علی رضؓ کی طرف سے شریک ہو گئے کیونکہ رسول اللہ کا یہ ارشاد بالکل واضح تھا کہ عمار بن یاسر کی شہادت ایسی جنگ میں ہوگی جس میں حق اور جنت عمار والی پارٹی (یعنی حضرت علی والی پارٹی) کی طرف اور باطل و دوزخ مخالف پارٹی (یعنی معاویہ کی پارٹی) کی طرف ہوں گے۔

ان صحابیوں کی جنگ سے علیحدگی نیک نیتی اور اجتہادی اختلاف پر مبنی تھی۔ اس کے برخلاف معاویہ کے قتال کو اجتہادی اختلاف پر مبنی نہیں قرار دیا جا سکتا معاویہ کے متعلق اس فیصلہ کے لئے متعدد دیگر دینی اور تاریخی دلائل کے بعد ایک واضح دلیل یہ ہے کہ عمار بن یاسر کی شہادت والی حدیث کی ایک روایت خود معاویہ سے بھی ہے۔ اس حدیث میں خود معاویہ نے رسول اللہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ عمار بن یاسر والی پارٹی جنت کی طرف اور مخالف پارٹی دوزخ کی طرف بلاتی ہوگی معاویہ کی طرف اس حدیث کے راوی ہونے کی نسبت اہل تشیع کی ایجاد نہیں ہے بلکہ یہ حدیث اہلِ سنت کے محدثین نے روایت کے لحاظ سے ستائیس صحابہ کی طرف منسوب کی ہے جن میں ایک معاویہ بھی ہیں۔ اہلسنت

کی تمام کتب حدیث میں موجود ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اہلسنّت کی مضبوط ترین حدیثوں میں سے ایک ہے۔ اس حدیث کی رو سے معاویہ کی جماعت "فیئۃ باغیۃ" قرار پاتی ہے۔ پس اگر معاویہ کسی اجتہادی اختلاف کی وجہ سے جنگِ صفین میں صف آرا ہوگئے ہوتے تو عمار بن یاسر کی شہادت کے بعد اپنی غلطی کا احساس کر کے ہتھیار ڈال دیتے اور ان کا رویہ بدل جاتا۔ چونکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا اور فیئۃ باغیۃ کے لیڈر بنے رہے تو اجتہادی اختلاف یا نیک نیتی کے لئے گنجائش نہیں رہی؟

دوسری شرط احتیاط و اعتدال کی یہ ہے کہ حدیث، سیرت یا تاریخ میں صحابی کے فعل کی روایت کسی حیثیت سے مشتبہ ہو۔ یا قابل مذمت فعل کی صرف دو ایک روایتیں ہوں اور ایسی روایتیں بھی ہوں جن سے پہلی روایت کے خلاف نتیجہ نکلتا ہو اس قسم کے حالات میں صحابیت کی خاطر یا تو درگذر کر دیا جائے یا احتیاط و اعتدال کے ساتھ تنقید کی جائے۔ لیکن اگر کسی صحابی نے وفات رسول کے بعد متعدد جرائم کئے ہوں اور جرائم بھی ایسے جن کا اثر اسلامی نظام پر پڑتا ہو تو ایسے صحابی کی مذمت ضروری ہے اور یہ مذمت سخت ترین الفاظ میں ہونی چاہئیے

اس حالت میں صحابی کے مذموم فعل کا اثر اُس کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ ساری قوم پر پڑتا ہے۔ اگر صرف اُس کی ذات تک محدود ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ معاملہ اللہ کے اور اُس کے درمیان ہے ہمیں زبان بند رکھنی چاہئیے لیکن جب اُس کا اثر سارے نظام پر پڑتا ہو کف لسان کا مسلک غلط ہے

صحابیؓ کی تعریف میں اختلاف کیوں؟

صحابی کی تعریف میں مسلمانوں میں بہت اختلاف ہے۔ لغت کے اعتبار سے تو صحابی ہر اُس شخص کو کہا جاسکتا ہے جسے رسول اللہؐ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا ہو۔ اس میں مدت کے زیادہ یا کم ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لیکن اصطلاح میں صحابی کی تعریف لغوی تعریف سے مختلف ہے اور اس مسئلہ پر غور کرنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ یہ اختلاف کیوں پیدا ہوا۔

دراصل ابتدا میں رسول اللہ کی صحبت کے متعلق تاثرات یہی تھے کہ جس مسلمان کو صحبت مل گئی اس کو شرف وعزت حاصل ہوگئے۔ یہ ابتدائی احساس طبعی تھا اور جن صحابہ کو بالکل ابتدائی دور میں صحبت رسول ملی وہ اس شرف کے مستحق تھے لیکن پھر تجربہ یہ ہوا کہ بعض صحابہ مرتد ہو کر کفار کے کیمپ میں پہنچے اور اسلام کی مخالفت میں پیش پیش نظر آنے لگے۔ لہذا صحابی کی تعریف میں یہ شرط لگانی پڑی کہ اُس کا خاتمہ ایمان پر ہونا لازمی ہے۔

اس کے بعد دوسرا تجربہ یہ ہوا کہ بعض مسلمان صحبت نبی میں تو رہے مگر اُن کا مقصد علم واتباع کا حصول نہیں تھا۔ لہذا بعض محدثین نے یہ شرط اور بڑھا دی "فتح المغیث" میں علامہ سخاوی نے اس شرط کو نمایاں کیا ہے

بالکل ابتدائی دور میں عمر کا سوال نہ تھا مگر وفات کے بعد یہ سوال پیدا ہوا اور خصوصاً اس وقت پیدا ہوا جب حدیث کی روایت میں صحابہ کے "عدول" ہونے کی بحث آئی کہ عہد رسالت کے آخر میں جن کا بچپن تھا وہ صحابہ میں شمار ہوں یا نہیں۔

اس بارے میں بھی دو گروپ ہو گئے۔ ایک وہ جو ایسے لوگوں کو جو وفات رسول کے وقت بچے تھے صحابہ کے درجہ میں شمار کرتا ہے اور دوسرا وہ جو اس درجہ میں شمار نہیں کرتا۔ اس میں پھر شاخ در شاخ وہ گروپ پیدا ہوا جو ان کو عام طور سے تو صحابہ کا مرتبہ دیتا ہے مگر روایت حدیث میں تابعی کے درجہ میں رکھتا ہے۔ روایت حدیث میں صرف اُن لوگوں کو صحابیت کا درجہ دیتا ہے جو سن رشد کو پہنچ کر رسول اللہ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔

ایسے بھی محدثین ہیں جو صحابیت کا درجہ صرف اُن لوگوں کو دیتے ہیں جنہوں نے رسول اللہ سے کوئی حدیث روایت کی ہو۔

بعض وہ محدثین بھی ہیں جو ہر اُس مسلمان کو صحابیت کا مرتبہ دیتے ہیں جس نے ایک بار بھی رسول اللہ کو دیکھا ہو۔ امام بخاری اور امام احمد بن حنبل جیسے محدث یہی رائے رکھتے ہیں (دیکھو اسد الغابہ)

ان میں سے کوئی ایک تعریف صحابی کی ایسی نہیں جس پر اہل سنت کے محدثین کا اتفاق ہو۔ یہ اختلاف تجربات کی بنا پر ہوا ہے۔ بعض ایسے "صحابہ" نے جو کسی وفد کے ساتھ رسول اللہ کی خدمت میں آئے یا کسی کام سے حاضر ہوئے اور بعد میں اسلامی تعلیمات کی نمائندگی کا کوئی اچھا نمونہ نہ پیش کر سکے یہ رائے قائم کرنے پر مجبور کیا کہ محض دیکھنا یا ملاقات کرنا کافی نہیں ہے۔ اس کے برخلاف محبت رسول کے جوش میں بعض نے کہہ دیا کہ صرف دیکھ لینا بھی کافی ہے۔ بعض نے اس محبت میں اتنا غلو کیا کہ عہد رسالت کے بعد کے نہایت ثقہ اور پرہیزگار آدمیوں پر ایسے صحابیوں کو ترجیح دی جو غیر ثقہ اور گنہگار تھے۔ مثلاً عمر بن عبدالعزیز کے متعلق اہل الرائے مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ وہ اسلام کے سچے ترجمان تھے اور انہوں نے اپنے دور میں اموی دور کی خرابیوں کی کافی اصلاح کی یا کم از کم اصلاح

کی کوشش کی لیکن بعض اُن جیسے مُصلح مسلمانوں پر معاویہ کو ترجیح دیتے ہیں' اس سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ معاویہ کو اس طرح ترجیح دینے والے کو حسنِ عمل کے لحاظ سے بہتر سمجھتے ہیں بلکہ اُن کی یہ رائے صرف حُبّ رسول کے باعث ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ معاویہ کے کیرکٹر میں کتنی ہی باتیں اسلام کے منافی تھیں مگر چونکہ معاویہ رسول اللہ کی صحبت میں رہے لہذا اُن کے نزدیک عمر بن عبدالعزیز جیسی شخصیت بھی قابل ترجیح نہیں۔ اس طرح عمل و تقویٰ پر غیر ثقہ اور غیر متقی صحابی کو ترجیح دینے والے بہت کم ہیں

اسی قسم کے واقعات نے اہل سنّت کے محدثین کو ایک بات پر متفق کردیا ہے اور وہ یہ کہ تمام صحابہ بلا استثنا روایت کے معاملہ میں "عادل" ہیں۔ وہ مانتے ہیں کہ صحابہ میں بعض فسق و فجور کا ارتکاب کرتے تھے' اُن سے چوری' زنا' کذب وغیرہ گناہ کا ارتکاب کرتے تھے مگر وہ کہتے ہیں کہ روایت قول رسول میں ان سے غلط بیانی نہیں ہوتی تھی۔ اس عقیدہ کی تائید میں قرآن یا حدیث کی کوئی سند نہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ تجربہ اور تحقیقات شاہد ہے کہ صحابہ خواہ کچھ بھی گناہ کرتے ہوں مگر رسول اللہ سے روایت کرنے میں غلط بیانی کبھی نہیں کرتے لہذا جہاں تک حدیث کی روایت کا تعلق ہے۔ ابن انباری کا بیان ہے۔

> "یہ مطلب نہیں ہے کہ صحابہ میں گناہوں سے عصمت پائی جاتی ہے اور اُن سے گناہوں کا ارتکاب ممکن نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن کی روایتوں کو اسباب عدالت کی بحث اور ثقاہت کی تحقیق کے بغیر قبول کرلینا چاہیئے اِلّا یہ کہ ان سے ایسا امر سرزد ہو جو روایات میں قادح ہو۔ اور ایسا ثابت نہیں ہے"

عدالت صحابہ کی تائید میں قرآنی آیات

تاکہ مجھ پر غلط فہمی یا شرارت سے یہ الزام نہ لگایا جائے کہ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم کا مخالف ہوں یا اُن کی تنقیص کرنا چاہتا ہوں میں مکرّر سہ کرّر اس عقیدہ کا اعلان کرتا ہوں کہ عہدِ رسالت میں صحابۂ رسول کا جو سماج تھا وہ بہترین تھا اور دنیا کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ تھا۔ نیز یہ کہ رسول اللہ کی صحبت انسان کے لئے نعمتِ عظمیٰ تھی بشرطیکہ کسی میں اس نعمت سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت ہو۔

لیکن صحابیت کی فضیلت کو ہر فرد کے لئے جو رسول کی صحبت میں آیا عدم کرکے الصحابۃ کلھم عدول کا اصول قائم کرنا واقعات کے خلاف ہے اس حدیث کی بابت کیا کہا جائیگا:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرد علی یوم القیامۃ رھط من اصحابی فیجلون عن الحوض فاقول یارب اصحابی فیقول انک لاعلم لک بما احدثوا بعدک انھم ارتدوا علی اعقابھم القھقری۔

(بخاری کتاب الحوض)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس قیامت میں صحابہ کا ایک گروہ لایا جائیگا اُسے حوض سے لے جائیں گے۔ میں کہونگا اے رب یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ تو وہ جواب دیگا تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا۔ یہ دین سے پھر گئے جسطرح پچھلے پیروں پھر جاتے ہیں

اس حدیث سے اتنی بات ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کا ذکر ہے جن کو رسول اللہ اپنے اصحاب کی حیثیت سے خوب پہچانتے تھے مگر وفات تک ان کے ارتداد کا علم

اُن کو نہیں تھا۔ یہ یا تو منافق تھے جو رسول اللہ کی وفات تک اپنی سیاہ قلبی کو خوف یا مصلحت کے باعث چھپاتے رہے اور وفات کے بعد بد اعمالیوں کا مظاہرہ کرنے لگے۔ وفات رسول کے بعد ارتداد کی جو رو چلی تھی اُس میں عرب قوم کے اکثر لوگ مرتد ہو گئے تھے اور ان میں ہزاروں ایسے "صحابی" تھے جو رسول اللہ سے مل چکے تھے یا کم از کم اُن کو دیکھ چکے تھے۔ صحابہ کی تعریف میں تو یہ سب آ جاتے ہیں مگر ان مرتدین میں وہ صحابہ برائے نام تھے جو رسول اللہ کی صحبت میں عرصہ تک رہے اور غزوات و سریات میں شریک ہوئے۔ یعنی وہ صحابہ جن کو رسول اللہ بحیثیت اصحاب کے پہچانتے تھے ان مرتدین میں اتنے کم تھے کہ اس کتاب الحوض والی حدیث میں صرف اُن اصحاب ہی کا ذکر ہو سکتا ہے جو آپ کی زندگی میں ایسے منافق رہے کہ اُن کے نفاق کی خبر حضور کو بھی نہ ہو سکی اور وفات کے بعد انہوں نے دین اسلام میں رخنہ ڈال کر اپنے ارتداد کا ثبوت دیا۔ ان منافقوں نے اسلام کا نام لے کر اور اسلام کے اندر رہ کر ہی رخنہ ڈالا۔

اب کوئی بتائے کہ ایسے صحابہ خواہ اُن کی تعداد تھوڑی ہو اصول عدالت صحابہ پر کیا اثر ڈالتے ہیں؟ ان کی موجودگی میں یہ عام قانون کیوں کر بن سکتا ہے کہ سب صحابہ عادل ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ عموم صحیح نہیں اور حدیث کی روایت میں اُن کے متعلق بھی اسباب عدالت تلاش کرنے ضروری ہیں اور اس کا ثبوت حاصل کرنا لازم ہے کہ جس صحابی نے یہ روایت نقل کی ہے آیا وہ ثقہ تھا یا نہیں تھا یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے نفاق و ارتداد پر پردہ ڈالنے اور مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے اُس نے حدیث گھڑ کے روایت کر دی ہو۔ ایسی متعدد احادیث ہیں جو ایک دوسرے کی صحت کی نفی کرتی ہیں یعنی ایک کو صحیح مان لیں تو دوسری کے غلط ہونے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات ایک حدیث

دوسری کی تردید کرتی ہے۔ مثلاً ترمذی کی ایک "حسن الاسناد صحیح" حدیث ابن عباس سے یہ ہے کہ رسول اللہ نے پینسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی۔ دوسری حدیث معاویہ اور عائشہ سے یہ ہے کہ آپ نے ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔ یہ حدیث بھی "حسن صحیح" بتائی گئی ہے۔ سب کے راوی ثقہ ہیں اور تینوں صحابی بھی شبہ سے بالاتر ہیں پھر بھی ایک حدیث تو واقعاتی اعتبار سے لازماً غلط ہے کیونکہ ۶۳ اور ۶۵ دونوں صحیح نہیں ہو سکتے۔ کوئی وجہ نہیں کہ حدیث کے راویوں کے متعلق جب ہم تحقیقات کریں تو صحابیوں کو اس تحقیقات سے خارج کر دیں۔

ابن انباری کا یہ قول کہ صحابہ کے معاملہ میں اسباب عدالت وثقاہت کی تلاش ضروری نہیں سوائے اس حالت کے جب وہ ایسے امر کا ارتکاب کریں "جو روایت کے لئے قادح ہو اور ایسا امر اُن سے ثابت نہیں" (الا ان شبت ارتکاب قادح ولم یثبت ذلک)۔ اس محدث نے اصول تو صحیح قائم کیا تھا مگر آخر میں خوش عقیدگی کے غلبہ کے باعث یہ فیصلہ کر دیا کہ "یہ امر اُن سے ثابت نہیں"

سوال یہ ہے کہ جب صحابہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو دوزخی ہوں تو اُن سے روایت غلط بیانی کیوں بعید از قیاس ہے۔ اور ایک راوی کے لئے محض منفی اعلان کر دینا کہ "یہ امر ثابت نہیں" کافی نہیں ہے۔ ہمیں یہ کہنے کے قابل ہونا چاہیئے کہ روایت کے بارے میں اُن کی عدالت ثابت ہے۔ آخر یہ عدالت کس طرح ثابت ہو سکتی ہے جبکہ اُن سے گناہوں کے ارتکاب کا اعتراف ہے۔ معاویہ کو لیجئے وہ ایسی روایات خود کر سکتے ہیں یا دوسروں سے کرا سکتے ہیں جن میں حضرت علیؓ کی تنقیص ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت

علیؓ کی تنقیص کی روایت مسلمانوں میں مطعون ہونے کے ڈر سے نہ اختراع کریں تو اپنی شان بڑھا کر علی رضؓ کے مقابلے کے قابل بنانے کے لئے احادیث گھڑ لیں۔ ابن حجر عسقلانی نے ابن الجوزی کی سند سے امام احمد بن حنبل کی یہ رائے پیش کی ہے کہ۔

اخرج ابن الجوزی من طریق عبد اللہ بن احمد بن حنبل سألت ابی ما تقول فی علی ومعاویہ فاطرق ثم قال اعلم ان علیاً کان کثیر الاعداء ففتش اعداؤہ لہ عیباً فلم یجدوا فعمدوا الی رجل قد حاربہ فاطروہ کیاداً منہم لعلی فاشار بہذا الی ما اختلقوہ لمعاویہ من الفضائل مما لا اصل لہ وقد ورد فی فضائل معاویہ احادیث کثیرہ لکن لیس فیہا ما یصح من طریق الاسناد وبذلک جزم اسحٰق بن راھویہ والنسائی وغیرھما واللہ اعلم۔

(فتح الباری شرح بخاری کتاب المناقب)

ابن الجوزی نے عبد اللہ بن احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے باپ (امام احمد بن حنبل) سے پوچھا کہ آپ علی و معاویہ کے بارے میں کیا رائے دیتے ہیں انہوں نے تھوڑے سے سکوت کے بعد جواب دیا۔ واضح رہے کہ علی کے بہت دشمن تھے۔ انہوں نے علی کی زندگی میں عیب تلاش کئے مگر اُن کو نہیں ملے تو پھر انہوں نے بھروسہ کیا اُس آدمی پر جو اُن سے (یعنی علی سے) لڑتا تھا۔ تو علی کی دشمنی سے اس کی طرف توجہ کی اور پھر انہوں نے (امام احمد بن حنبل نے) اشارہ کیا اُن فضائل کی طرف جو معاویہ کے لئے گھڑ لئے گئے۔ معاویہ کے فضائل میں متعدد احادیث ہیں لیکن ان میں کوئی ایسی نہیں جو اسناد کے لحاظ سے صحیح ہو۔

اسحٰق بن راہویہ اور نسائی نے بھی اسی رائے کی تصدیق کی ہے۔ واللہ اعلم۔

اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیثوں کی روایت کچھ لوگوں نے حضرت علی کی مخالفت اور معاویہ کی حمایت کی نیت سے کی۔ اور اس امر کا پورا امکان ہے کہ معاویہ اس سازش میں شریک ہوئے تھے حضرت علیؓ کے خلاف اس قسم کے حربے استعمال کرنے میں معاویہ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ معاویہ کی ساری زندگی اس پر دال ہے لہٰذا معاویہ جیسے صحابیوں کو حدیث کی روایت کے بارے میں ایک عمومی قانون وضع کر کے عدالت کی سند دیدینا نہایت عجیب بات ہوگی۔

یہ بھی واضح رہے کہ حدیث کی روایت سے بھی سوسائٹی میں ایک مرتبہ حاصل ہوتا تھا اس لئے یہ بھی امکان ہے کہ بظاہر غیر متنازعہ فیہ معاملات پر معاویہ نے حدیث وضع کر کے روایت کر دی ہو۔ مثلاً حدیث عبادات کے متعلق ہو مگر معاویہ نے صرف اس لئے گھڑلی ہو کہ اُسے راوی حدیث کا مرتبہ ملے اور سادہ مزاج مسلمان اُس کا احترام کرنے لگیں

مختصر یہ کہ معاویہ جیسے صحابیوں کو ایک خود ساختہ اصول کے تحت عدول کے دائرہ میں لے آنا صریحاً غلط ہے۔

بے شک عام طور سے صحابہ عادل تھے لیکن سب عادل نہیں تھے۔ ان میں ایسے افراد بھی تھے جو حدیث کی روایت میں غلط بیانی کر سکتے تھے لہٰذا تمام صحابہ کو محض صحابیت کی بنا پر عدول کہنا غلط ہے۔

ابن حجر نے اپنی مشہور کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ کے مقدمہ میں تمام صحابہ کو عدول ثابت کرنے کے لئے قرآن کی حسب ذیل آیات پیش کی ہیں۔ ان آیتوں کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ان میں سے بعض آیات صرف خاص صحابہ مثلاً مہاجرین وانصار یا بیعت تحت الشجرۃ میں شریک ہونے والوں کے لئے ہیں اور بعض اُس سماج کے لئے ہیں جو صحابہ نے عہد رسالت میں مجموعی طور سے بنایا تھا

ان آیات میں کسی سے یہ ثابت نہیں کہ ہر صحابی فرداً فرداً دنیا کے لئے قابل تقلید نمونہ یا عادل ہے۔ ابن حجر کی پیش کردہ آیات یہ ہیں۔

۱۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس

۱۔ تم لوگوں کے لئے بہترین امت ہو جو پیدا کی گئی

۲۔ کذالک جعلناکم امۃ وسطاً

۲۔ اس طرح تم کو درمیانی اُمت بنایا ہم نے

۳۔ لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبہم

۳۔ اللہ راضی ہوگیا اُن مُومنین سے جنہوں نے تمہاری بیعت کی درخت کے نیچے اُس کو ان کے دلوں کا حال معلوم ہوگیا۔

۴۔ السابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ

۴۔ مہاجرین وانصار میں جو سب سے اوّل ہیں اور وہ جو اُن کے پیچھے ہوئے نیک عمل کے ساتھ اُن سے اللہ راضی ہوا وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

سب آیات اسی قسم کی ہیں کہ یا تو صحابہ کے خاص گروہ سے متعلق ہیں یا اُس سماج کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو عہدِ رسالت میں دنیا کے سامنے تھا۔ اُس سماج کے ہر فرد کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ مثلاً السابقون الاولون من المھاجرین والانصار سے مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے بالکل ابتدا میں ہجرت کی اور وہ انصار مراد ہیں جنہوں نے عقبہ اولیٰ یا عقبہ ثانیہ میں بیعت کی یا عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کے ددمیان مدینہ میں بیعت کی تھی۔ ظاہر ہے کہ ان صحابہ کا بڑا مرتبہ ہے۔

لیکن ان آیات قرآنیہ کو پیش کرکے یہ نتیجہ نکالنا عجیب ہوگا کہ معاویہ وابوسفیان بھی عدول کے زمرہ میں شامل ہوگئے۔ یہ بات تو صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ ابوسفیان کے دائرہ اسلام میں آنے کے بعد صحابہ

عام طور سے اُسے اپنی صحبت میں نہیں گھسنے دیتے تھے اور اُسے اپنے ساتھ جنگوں میں بھی نہیں لے جاتے تھے چنانچہ ابو سفیان نے رسول اللہ سے اس بارے میں شکایت کی تھی۔ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام اس خاص "صحابی" پر شک کرتے تھے مطلب یہ ہے کہ صحابی ہونا اس امر کی دلیل نہیں کہ اُس کی روایت کو بغیر تحقیق کے تسلیم کر لیا جائے۔

جب بی بی عائشہ پر تہمت لگائی گئی تھی تو تہمت کو ہوا دینے والی روایت پھیلانے میں منافقوں کے ساتھ بعض صحابہ بھی شامل تھے۔ پھر یہ کیوں کر جائز ہے کہ رسول کی احادیث کی روایت میں اسباب عدالت کی چھان بین نہ کریں اور محض ان کے صحابی ہونے پر اکتفا کر لیں۔

بنی اُمیہ کے اکثر افراد اسلام کے مخالف رہے تا آنکہ اُن کے لئے ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا اور عہد رسالت کے کچھ عرصہ بعد حضرت عثمان کے زمانہ سے انہوں نے حصول اقتدار کی حکمت عملی کو اپنا لیا اور حضرت علیؓ کے دور میں بالکل نقاب اُتار کر اسلامی قدروں کے مقابلہ میں آ گئے اس لئے اُن "صحابہ" پر خاص نظر ڈالنی ہو گی جو بنی امیہ سے تھے یا بنی امیہ کے حلیف تھے۔ بے شک بنی امیہ سے بھی اسلام کو بعض مخلص صحابہ ملے لیکن ان میں ایسے بھی تھے جنہوں نے صحابیت کے مرتبہ کو بدنام کیا اور ان کو صرف صحابیت کی خاطر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اُن کے نامۂ اعمال کا محاسبہ اس لئے ضروری ہے کہ بعد کی نسلوں نے اُن کی صحابیت سے فریب کھا کر اسلامی نظام کو سمجھنے میں غلطیاں کیں اور یہ غلطیاں احیائے اسلام میں رکاوٹ بن رہی ہیں۔ اس کتاب کا مقصد ان غلطیوں کی اصلاح ہے۔

وما توفیقی الا باللہ۔

خادم اسلام علی بہادر خاں۔

(۱)
صحابہ اور صحابہ میں فرق

صحابی کی تعریف میں اختلاف ہونے کے سبب سے صحابہ کی تعداد اور اُن کے مدارج میں بہت فرق پیدا ہوگیا ہے۔ امام شافعی کی روایت کے مطابق حضور کے وصال کے وقت ساٹھ ہزار صحابہ تھے۔ جن میں تیس ہزار خاص مدینہ میں تھے۔ ابوذرعہ رازی کے قول کے مطابق ایک لاکھ ایسے صحابہ تھے جنہوں نے رسول اللہ سے حدیث سُنی[1]۔ انہوں نے حدیث کو رسول سے نہ صرف سُنا بلکہ روایت بھی کیا[2]۔ ایک لاکھ سے زیادہ تعداد ابوزرعہ نے اُن صحابہ کی بتائی ہے جنہوں نے آپ سے حدیث روایت کی ورنہ سب صحابہ کی تعداد اس سے بہت زیادہ ہوگی۔

ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کی صحیح تعداد کا اندازہ مشکل ہے اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اُن سب کے حالات معلوم ہوسکیں۔ اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ صحابہ کے مشاغل دینیہ ایسے تھے کہ وہ اپنی تعداد کا تحفظ و اندازہ نہیں کرسکے۔ نیز یہ کہ اکثر صحابہ صحرانشین تھے اس لئے اُن کے نام تک نہ معلوم ہوسکے[4]۔

اہل سنّت کی مستند و معتبر کتابوں کے ان حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ میں سے ایسے کتنے ہی ہیں جن کے حالات کا علم نہیں لہذا اُن کے کیرکٹر کی نسبت کوئی

---

[1] تجرید جلد ا صفحہ ۳ [2] مقدمہ اصابہ فی تمییز الصحابہ صفحہ ۳
[3] مقدمہ اصابہ صفحہ ۳ [4] مقدمہ اصابہ صفحہ ۴

ایسا عام فیصلہ کرنا مشکل ہے جو سب کی شخصیت پر فرداً فرداً حاوی ہو۔ لہٰذا جب ہم افراد پر بحث کرینگے تو یہ دیکھنا ہمارا فرض ہوگا کہ اُن کی زندگی تقوٰے کے لحاظ سے فضیلت کے کس درجہ کی مستحق ہے۔

صحابہ میں فضیلت کے لحاظ سے مدارج کا فرق قرآن کی آیات سے ثابت ہے۔ حسب ذیل آیت پر غور کیجئے۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا (سورۂ حدید)	تم میں سے جنہوں نے اللہ کے لئے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور لڑے ان کے برابر نہیں بلکہ اُن سے بڑے درجہ میں ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور لڑے۔

اس آیت نے فضیلت کے لحاظ سے ایک خاص تقسیم کر دی یعنی وہ صحابہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل مالی وجانی قربانیاں اسلام کے لئے پیش کیں اُن سے افضل ہیں جو فتح مکہ کے بعد دائرۂ اسلام میں آئے اور اللہ کی راہ میں انہوں نے مال خرچ کیا اور جہاد کیا۔ ان صحابہ کی فضیلت ظاہر ہے۔ انہوں نے اس دور میں اسلام کا ساتھ دیا جب سخت ترین امتحانوں سے گزرنا پڑتا تھا، جب آزمائشیں اتنی سخت تھیں کہ تاریخ عالم میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ قرآن نے ان الفاظ میں یہ نقشہ پیش کیا ہے۔

وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین آمنوا معہ متیٰ نصر اللہ؟ الا ان نصر اللہ قریب۔	اُن کو جھنجھوڑا گیا یہاں تک کہ رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے چلا اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئیگی۔ خبردار کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔

مکی زندگی کے شدائد کا خیال کر کے بھی انسان کے دل میں لرزہ پیدا

ہو جاتا ہے۔ بلال کو لوہے کی زرہ پہنا کر گرم ریت میں ڈال دیتے تھے اور پہاڑیوں پر گھسیٹتے تھے لیکن اُن کی زبان پر احد احد ہی آتا تھا۔ خباب کو انگاروں پر گھسیٹتے تھے اور صہیب و عمار کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرتے تھے ابو فکیہ کو گرم تپتے ریت پر لٹا کر پیٹھ پر پتھر کی چٹان رکھتے تھے۔

سمیہ حضرت عمار کی والدہ کو تپتی ریت میں لٹایا اور خوب مارا مگر وہ ایمان میں متزلزل نہیں ہوئیں آخر ابوجہل نے برچھا مار کر شہید کر دیا یہ اسلام میں پہلی شہادت تھی۔

عبد اللہ بن مسعود بہت منحنی سے آدمی تھے جب کسی معمولی جسم کے آدمی کے پیچھے بیٹھ جاتے تو بالکل چھپ جاتے جب انہوں نے چاہا کہ کعبہ میں جا کر قرآن کی چند آیات سنائیں تو دوسرے صحابہ نے منع بھی کیا کیونکہ اس عمل کے بعد کفار حملہ ضرور کرتے اور عبد اللہ بن مسعود اس حملہ کو برداشت کرنے کے قابل نہ تھے مگر اُن کے دینی جوش کے سامنے کسی مشورہ کا اثر نہ ہوا اور انہوں نے کعبہ کے حدود میں قرآن کی چند آیات پڑھیں اس پر اُن کو اتنا مارا کہ لہولہان ہو گئے۔ مگر وہ کہتے تھے کہ میں دوسری بار پھر جا کر پڑھنے کے لئے تیار تھا۔

استیعاب میں ہے کہ جب ان میں سے بعض صحابہ شام پہنچے تو وہاں کے عیسائی لیڈروں نے کہا کہ جن نبیوں کے اصحاب کو آروں سے چیرا گیا تھا اُن پر بھی وہ مصائب نہیں آئے تھے جو اصحاب محمد نے برداشت کئے۔

اسلام کی محبت کے سامنے رشتہ اور قبیلہ کے تعلقات کی بھی ابتدائی دور کے صحابیوں نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ لیکن یہ صبر و امتحان کا دور اُن صحابہ پر گزرا جو ابتدائے اسلام میں رسول اللہ کے ساتھ تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ

نے اس دور کے صحابہ کی فضیلت بیان کی ہے یہ دور یوں تو فتح مکہ سے پہلے ہی ختم ہونے لگا لیکن فتح مکہ سے اس کا باقاعدہ خاتمہ ہوگیا کیونکہ اُس کے بعد اسلام اتنا طاقتور ہوگیا تھا کہ لوگ اُس میں آکر کسی امتحان میں نہیں پڑتے تھے بلکہ اُن کو دائرہ اسلام میں آنے سے دنیوی فائدہ پہنچتا تھا۔ مزید یہ کہ جان ومال کی امان کے لئے بھی اسلام قبول کرنے لگے۔ بخاری کی ایک حدیث کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں۔

کانت العرب تلوم باسلامھم الفتح فیقولون اترکوہ وقومہ فانہ ان ظھر علیھم فھو نبی صادق فلما کانت وقعۃ اھل الفتح بادر کل قوم باسلامھم (بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب فتح مکہ)	عرب اس انتظار میں تھے کہ فتح مکہ کے بعد اپنے اسلام کا فیصلہ کریں وہ یہ کہتے تھے کہ (محمد کو) انہیں اور اُن کی قوم کو چھوڑ دیا جائے اگر یہ سچے نبی ہیں تو اپنی قوم پر غالب ہوں گے۔ پس جب مکہ فتح ہوا تو وہ اسلام کے لئے دوڑنے لگے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد جو لوگ ایمان لائے اُن کے لئے قبول اسلام کے محرکات وہ نہیں تھے جو ابتدائی دور میں اسلام قبول کرنے والوں کے ہو سکتے ہیں۔ ابتدائی دور کے صحابہ پر قرآن کی صداقت، رسول اللہ کے مواعظ حسنہ، اسلامی اخلاق وغیرہ کا اثر ہوا تھا۔ لیکن بعد میں اسلام لانے والے صحابہ پر اسلامی اقتدار کا اثر پڑا۔ ان میں سے بعض تو وہ تھے جو یہ سمجھ کر ایمان لائے کہ اب اس کے سوا چارہ ہی نہیں۔ اُن کے لئے غیر مسلم رہنا ممکن ہی نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے تمام صحابہ فضل ومنقبت کے لحاظ سے پست درجہ میں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان میں بھی اکثر وبیشتر اسلام میں آنے کے بعد زہد وتقویٰ کے بلند مرتبہ پر پہنچے لیکن یہ ضرور ہے

کہ صحابہ میں جو منافق یا جہنمی تھے اُن کی تلاش زیادہ تر ان متاخر صحابہ میں ہی کرنی چاہیئے۔ وہ صحابہ جو جہنم جاتے ہوئے رسول اللہ کو حوض پر ملیں گے وہ اسی زمرہ میں ہو سکتے ہیں جو اسلام کے طاقتور ہونے کے بعد دائرۂ اسلام میں آئے۔ ان میں سے متعدد رسول اللہ کی صحبت میں بھی رہے اور صحابہ کہلائے مگر ان کے دلوں میں صحبت رسولؐ سے فیض حاصل کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔

ابتدائی دور ابتلا کے صحابہ کے لئے قرآن کی اور آیات بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان صحابہ کا درجہ بہت بلند ہے انہی کی نسبت فرمایا گیا ہے۔

السابقون الاولون من المهاجرين والانصار۔ اس آیت میں بعد میں آنے والے صحابہ کا بھی تذکرہ کیا ہے مگر اس میں احسان کی شرط لگائی ہے والذين اتبعوهم باحسان اور جو اُن کے بعد اعمال حسنہ والے ہوئے م اس سے صاف ظاہر ہے کہ اوّل درجہ کے صحابہ کے بعد صحابہ ہوں گے۔ اُن کے لئے رضی اللہ عنہم کی شرط یہ ہے کہ وہ نیکوکار ہوں اور اوّل درجہ کے سے اخلاق حاصل کریں۔ ان میں ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن کے اعمال حسنہ نہ ہوں تو وہ رضی اللہ عنہم کے مصداق نہیں ہوں گے۔

اسی طرح آیت للفقراء المهاجرين اخرجوا من ديارهم.....الخ بھی ابتدائی دور کے صحابہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

دراصل قرآن کی جتنی آیات میں صحابہ کی تعریف ہے وہ یا تو ابتدائی دور کے مسلمان تھے جو امتحانوں سے گزرے یا پھر بحیثیت مجموعی اُس سماج کی تعریف ہے جو صحابہ نے بنایا تھا۔ یہ مطلب کسی آیت سے نہیں نکلتا کہ تمام صحابہ فرداً فرداً قابل تعریف تھے یا یہ کہ اُن کی مذمت کرنا گناہ ہے اگر فرداً فرداً ہر صحابی کی مذمت کی ممانعت ہوتی تو بڑے بڑے جلیل القدر

المهاجرين من لهم قرابات يحمون اهليهم واموالهم فاحببت ان اتخذ عندهم يدا يحمون بها قرابتي ولم افعله ارتدادا عن ديني ولا رضا بالكفر بعد الاسلام فقال رسول الله صلی اللہ علیه وسلم اما انه قد صدقکم فقال عمر یا رسول اللہ دعنی اضرب عنق هذا المنافق فقال انه شهد بدرا وما يدريك لعل الله اطلع علی من شهد بدرا فقال اعملوا ماشئتم فقد غفرت لكم فانزل الله السورة لا تتخذوا عدوی وعدوكم اولياء...... الخ

{صحیح بخاری
کتاب المغازی}

اُن کی ذات برادری کا نہیں ہوں آپ کے ساتھ اور جو مہاجرین ہیں مکہ میں اُن کے رشتہ دار ہیں۔ جو اُن کے مال اولاد کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ میں نے یہ اطلاع دے کر یہ سوچا کہ اس احسان کے بدلے میں وہ میرے خاندان کی حفاظت کریں گے۔ میں نے یہ کام اپنے دین سے ارتداد یا کفر سے اسلام کے بعد رضا کے لئے نہیں کیا۔ رسول اللہ نے صحابہ سے فرمایا کہ اُس نے تم سے سچ سچ کہہ دیا ہے۔ عمر نے کہا یا رسول اللہ اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں حضور نے فرمایا یہ تو بدر میں شریک تھا کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ نے بدریوں کے متعلق حالات کے اندازہ سے کہدیا ہے جیسا چاہے عمل کرو تم کو بخشدونگا پھر اللہ نے یہ آیت نازل کی مت بناؤ میرا اور اپنے دشمنوں کو دوست الخ

حاطب بن ابی بلتعہ جلیل القدر صحابی ہیں اور قرآن کی آیات اور احادیث کی رو سے ابتدائی دور کے اُن اصحاب میں شمار ہوتے جن کی شان بڑی ہے اور جن کو بُرا بھلا کہنے سے رسول اللہ نے منع کیا ہے مگر حضرت عمر نے بُرا کہنا تو درکنار اُن کو منافق کہہ کر قتل کر دینے کی اجازت طلب کی۔ اور اُن کا فعل ایک غدار

کا سا ہی تھا مگر انہوں نے یہ کام بدنیتی سے نہیں کیا تھا بلکہ یہ اُن کی انسانی لغزش تھی۔ مطلب یہ کہ بڑے بڑے صحابہ سے بھی انسانی لغزشیں ممکن ہیں اور ان لغزشوں کے لئے اُن کی مذمت بھی کی جاسکتی ہے۔ مگر اُن کی نیت اور کیرکٹر پر حملہ نہیں کیا جاسکتا۔

رسول اللہ جب تک زندہ تھے تو وہ فیصلہ کر دیتے تھے یا وحی سے فیصلہ ہو جاتا تھا مگر رسول اللہ کی وفات کے بعد بھی دور اوّل کے ان صحابہ میں سے بعض سے اجتہادی غلطیاں ہوئی ہیں اور ان میں بعض نہایت خطرناک بھی تھیں لیکن جیسے ہی ان کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوا انہوں نے اصلاح کر لی اور اللہ و رسول نے قرآن و حدیث میں ان کا جو مرتبہ بلند قرار دیا تھا اُس کی لاج رکھ لی۔

مثلاً جنگ جمل میں بی بی عائشہ، طلحہ و زبیر سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے حضرت علی کے مقابلہ میں محاذ قائم کیا۔

سورہ انفال کی آیت واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ (اُس فتنہ سے بچو جس کے اثرات تم میں سے صرف اُن تک محدود نہ رہیں جنہوں نے ظلم کیا) پر علامہ رازی نے تفسیر کبیر میں بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ آیت علی، عمار، طلحہ، اور زبیر کے متعلق ہے جو جنگ جمل میں مبتلا ہو گئے تھے۔ بدر میں یہ لوگ شریک ہوئے تھے اور اُن ممتاز صحابہ میں تھے جن کی عظمت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ زبیر کہتے ہیں ہم اس آیت کو پڑھتے رہے مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ ہم خود اس کے مصداق ہیں (وما ظننا انا اھلہا) اس آیت کی تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض اوقات فتنہ ایسی شکل اختیار کر لیتا ہے کہ بڑے بڑے قابل احترام لوگ اس میں پھنس جاتے ہیں۔ طلحہ

اور زبیر جیسے بزرگ ایک فتنہ میں مبتلا ہو کر حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آگئے اور بعض لوگوں کے ورغلانے سے حضرت عثمانؓ کے خون کا دعویٰ اُن سے کرنے لگے حالانکہ حضرت عثمان کے قتل کی ذمہ داری حضرت علیؓ پر بالکل نہ تھی قتل میں کسی قسم کی سازش تو درکنار حضرت علیؓ نے تو آخر وقت تک اُن کی حفاظت کے لئے کوشش کی اور جب قتل کرنے والوں نے مکان کے عقب سے دیوار کود کر داخلہ کیا اور قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو حضرت علی نے اپنے بیٹوں اور دوسرے محافظوں پر سخت عتاب فرمایا۔

لیکن طلحہ و زبیر نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اور اپنے رویہ کی اصلاح کی جدوجہد میں جان دیتے ہوئے صحابیت کے مرتبہ کی شان کو دوبالا کر دیا۔ اللہ نے السابقون الاولون کی جو تعریف کی تھی وہ اُس کے مستحق ثابت ہوئے

بی بی عائشہ بھی السابقون الاولون میں تھیں۔ اُن سے بھی لغزش ہوئی مگر انہوں نے بھی غلطی کی تلافی کر دی جنگ جمل میں جاتے ہوئے ایک ایسا مقام آیا جس کی بابت رسول اللہ نے بی بی عائشہ سے فرمایا تھا کہ تم ایک غلط اقدام کے دوران وہاں پہنچو گی تو انہوں نے وہاں پہنچتے ہی واپسی کا فیصلہ کیا مگر فتنہ پردازوں نے انہیں سمجھا دیا کہ یہ وہ مقام نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اللہ کو السابقون الاولون کے شرف کو نبھانا تھا اس لئے بی بی عائشہ نے پھر ایک مرحلہ پر اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور تاریخ شاہد ہے کہ وہ اپنے جنگ جمل کے اقدام کو یاد کر کے اپنی غلطی پر رویا کرتی تھیں۔ آگے معاویہ کے مسلک کی تشریح میں بتایا جائیگا کہ انہوں نے نہ صرف گناہ کیا بلکہ گناہ پر اصرار کیا اور اس طرح صحابیت کے مرتبہ کی توہین کی۔

زبیرؓ کو حضرت علیؓ نے ایک واقعہ یاد دلایا تھا۔ اُس کی روایت یوں ہے

ان الزبیر کان یسار النبی صلی اللہ — زبیر ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

...وسلم یوما اذا اقبل علی رضی ...عنہ فضحک الیہ الزبیر ...ل رسول اللہ علیہ وسلم کیف ...ک لعلی فقال یا رسول اللہ ...ہ لحبی لولدی او اشد فقال ...ت انت اذا سرت الیہ تقاتلہ (تفسیر کبیر از امام رازی)

ساتھ جا رہے تھے جبکہ علی رضی اللہ عنہ آ گئے زبیر اُن کے ساتھ ہنسنے لگے۔ رسول اللہ نے زبیر سے پوچھا کہ علی سے تم کتنی محبت کرتے ہو انہوں نے کہا یا رسول اللہ اتنی محبت کرتا ہوں جتنی اپنے بیٹے سے بلکہ اُس سے بھی زیادہ آپ نے اس پر فرمایا کیا ہو گا اگر تم اُس سے قتال کے لئے نکلو۔

امام رازی نے صرف اتنی ہی روایت لکھی ہے دوسری کتابوں میں اتنا اور ...ہے کہ زبیر کو رسول اللہ کے ان الفاظ پر بہت حیرت ہوئی۔ اُن کی سمجھ میں یہ ...آتا تھا کہ ایسے بھی کوئی حالات ہو سکتے ہیں جن میں مجھے علیؓ کے مقابلہ میں قتال ...لئے نکلنا پڑے۔

تاریخ میں ہے کہ جنگ جمل میں جب زبیر حضرت علی کے مقابلہ میں آتے تو ...رت علیؓ نے رسول اللہ کا یہ قول یاد دلایا۔ اس کا اثر زبیرؓ پر یہ ہوا کہ اُن کو اپنی ...ی کا احساس ہو گیا اور وہ جنگ سے واپس ہونے لگے۔ ایسی حالت میں ...ویہ کے ایک طرفدار عمر بن جرموز نے عین نماز میں اُن کو قتل کر دیا۔ حضرت علیؓ ...اس لئے اور بھی زبیر اور طلحہ کی فکر تھی کہ یہ دونوں السابقون الاولون ...سے تھے اور زبیر کے قاتل کی نسبت رسول اللہ کی پیشین گوئی تھی کہ قاتل ابن ...صفیہ فی النار (ابن صفیہ کا قاتل جہنم میں جائے گا۔

اسی طرح طلحہ بڑے مرتبہ کے صحابی تھے۔ اُن کو ایک روایت کے مطابق ...ان نے تیر مار کر شہید کر دیا۔ اُن کے مقابلہ پر آنے کے متعلق یہ بھید گی تھی کہ ...ول اللہ کی پیشین گوئی تھی کہ تم شہید ہو گے تو اُس وقت علی کی بیعت تمہاری

گردن میں ہوگی۔ ایک طرف یہ پیشین گوئی دوسری طرف جنگ جمل میں طلحہؓ کا حضرت علیؓ کے مقابل قتال کے لئے آنا دونوں باتوں میں میل نہ تھا۔ مگر طلحہ نے اپنی غلطی کا احساس کرکے جنگ سے واپسی کا فیصلہ کیا تو اُن کو تیر مارا گیا تو مستدرک کی روایت ہے کہ حضرت علی کے اصحاب میں سے ثور بن جزاۃ ایسی حالت میں اُن کے پاس پہنچے کہ طلحہ کا بالکل آخر وقت تھا انہوں نے آنکھ کھول کر پوچھا کہ تم کون ہو ثور بن جزاۃ نے جواب دیا کہ میں علیؓ کے اصحاب میں سے ہوں۔ طلحہؓ نے کہا کہ ہاتھ لاؤ تاکہ میں علیؓ کے لئے بیعت کرلوں چنانچہ ثور بن جزاۃ نے ہاتھ پھیلا دیا اور انہوں نے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کا اعلان کیا۔ یہ واقعہ جب ثور بن جزاۃ نے حضرت علیؓ سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہی ارشاد تھا کہ طلحہ کا انتقال ایسی حالت میں ہوگا کہ گلے میں علی کی بیعت ہوگی۔

یہ مثالیں نہ صرف اجتہادی غلطیوں، انسانی لغزشوں، اور غلط فہمیوں کی ہیں جن میں دور اوّل کے صحابہ مبتلا ہوئے اور اللہ نے انہیں ان غلطیوں سے نکال لیا بلکہ یہ مثالیں اُس قسم کے فتنہ کی ہیں جس کا تذکرہ مذکورہ بالا آیت واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ آیت کے ترجمہ پر خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اُس فتنہ سے ہوشیار رہو جو صرف اُن ظالموں تک محدود نہیں رہتا جو ظلم کرتے ہیں بلکہ اُن کو بھی متاثر کرتا ہے جو ظالم اور فتنہ پرداز نہیں ہوتے بلکہ اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں جیسے کہ طلحہ اور زبیر تھے۔ جنگ جمل کا فتنہ ایسا اٹھا کہ اس میں بڑے بڑے صحابہ پھنس گئے۔

جنگ بدر میں شامل ہونے والے صحابہ کا بڑا مرتبہ ہے لیکن ایک صحابی مسطحؓ

تھے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایک رشتہ دار تھے اور حضرت ابوبکرؓ اُن کی بہت امداد کیا کرتے تھے۔ یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے مگر انہوں نے رسول کی بیوی اور اپنے محسن ابوبکرؓ کی بیٹی عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگانے میں مدینہ کے منافقین کے ساتھ مل کر نمایاں حصہ لیا

بخاری میں جو مشہور حدیث افک ہے اُس میں بی بی عائشہ کا بیان نہایت تفصیل کے ساتھ ہے۔ وہ کہتی ہیں

"پھر ہم مدینہ آئے اور میں ایک ماہ تک بیمار رہی۔ لوگ تہمت والوں کے قول میں غور و فکر کرتے تھے اور مجھے یہ بات شک میں ڈالتی تھی کہ میں اپنی بیماری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ مہربانی نہیں دیکھتی تھی جو اس سے پہلے بیماری میں دیکھا کرتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکر صرف یہ کہتے تھے یہ کیسی ہے۔ پھر چلے جاتے تھے۔ اس سے مجھے شک ہوتا تھا اور برے بھلے کا شعور نہ تھا۔ جب مجھے بیماری سے افاقہ ہوا تو میں پاخانہ کے لئے نکلی۔ اور اُم مسطح بھی میرے ساتھ پاخانے کو چلی۔ ہم ایک رات سے دوسری رات تک پاخانے نہیں جاتے۔ یہ ہمارے گھروں کے پاس پاخانے بننے سے پہلے کا ذکر ہے۔ اس وقت ہماری رسم عربوں کی طرح جنگل میں ہی پاخانہ کرنے کی تھی اور گھروں کے پاس پاخانے بنانے میں تکلیف ہوتی تھی۔ عائشہ کہتی ہیں کہ میں مسطح کی ماں جو ابی رہم بن عبدالمطلب بن عبد مناف کی بیٹی ہے اور ام مسطح کی ماں صخر بن عامر کی بیٹی ہے جو ابوبکر کی خالہ تھی۔ اُس کا بیٹا مسطح اثاثہ بن عباد بن عبدالمطلب

کا بیٹا ہے۔ جب ہم رفع حاجت سے فارغ ہوئے تو میں اور اُم مسطح
اپنے گھر کی طرف واپس آئے۔ مسطح کی ماں کا پاؤں اپنی چادر
سے پھسل گیا۔ وہ کہنے لگی مسطح ہلاک ہو۔ میں نے اس پر اُس
سے کہا کہ تو برا کہتی ہے۔ کیا تو اُس کو بُرا کہتی ہے جو بدر
میں شریک ہوا تھا! (التسبیں زہ جلااشھل بدرا)
اُس نے کہا اری دیوانی تو نے نہیں سنا جو مسطح نے کہا ہے
میں نے پوچھا اُس نے کیا کہا ہے۔ اُم مُسطح نے مجھ سے اہل افک
کا قول بیان کیا۔ عائشہ رضؓ کہتی ہیں میری بیماری اور بڑھنی
شروع ہوگئی۔ جب میں گھر آگئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
آکر سلام کیا۔ پھر پوچھا یہ کیسی ہے۔ میں نے اپنے ماں باپ کے
گھر جانے کی اجازت مانگی۔

یہ تو ایک ایسے صحابی کا حال ہے جو بدر میں شریک تھا اور جس کی ماں کے مذمت کرنے پر بی بی عائشہ نے اُسے ڈانٹا کہ تو ایک بدری پر سب وشتم کررہی ہے۔ اب ذرا اُن انصار کے بعض لوگوں کا حال بخاری کی اسی حدیث میں پڑھئے۔ حدیث میں آگے چل کر آتا ہے۔

"........رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ سے بلاکر
پوچھا کہ کیا تو نے عائشہ کی کوئی بیجا حرکت ایسی دیکھی ہے
جس نے تجھے شبہ میں ڈالا ہو۔ بریرہ نے کہا اُس کی قسم جس
نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے میں نے کبھی ایسی کوئی بات
نہیں پائی جس کی بناء پر عائشہ پر تہمت لگا سکوں۔ اتنا ضرور ہے کہ
وہ کمسن لڑکی ہیں خمیر سے غافل سو رہتی ہیں پلی ہوئی بکری

اسے آکر کھا جاتی ہے۔ اسی روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور عبداللہ بن ابی بن سلول کی بات کا عذر کرتے ہوئے لوگوں سے کہا۔ اے جماعت مسلمین مجھے کون مدد دے گا اُس شخص کے خلاف جس کے باعث مجھے میرے اہل میں ایذا پہنچی۔ بخدا میں اپنی بیوی کی نسبت سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں جانتا اور ان لوگوں نے ایسے مرد کا نام لیا ہے جس پر میں سوائے بھلائی کے اور گمان نہیں کر سکتا۔ وہ میرے گھر میں میرے پیچھے کبھی نہیں آتا تھا۔ عائشہ رضؓ نے کہا کہ سعد بن معاذ بنی عبدالاشہل کے بھائی کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ میں آپ کی مدد کرونگا۔ اگر وہ شخص قبیلۂ اوس سے ہوگا میں اُس کی گردن مار دوں گا اور اگر ہمارے بھائیوں خزرج سے ہوگا تو آپ جیسا حکم دیں ہم اُس کی تعمیل کریں گے۔ عائشہ فرماتی ہیں اس پر ایک شخص قبیلۂ خزرج سے کھڑا ہوا جس کا نام سعد بن عبادہ تھا اور حسّان کی ماں اُس کے رشتہ کے چچا کی بیٹی تھی۔ وہ قبیلۂ خزرج کا سردار تھا وہ اس قضیہ سے پہلے نیک آدمی تھا مگر اس وقت اسے قبیلہ کی حمیت اور غرور نے ابھار دیا۔ سعد سے کہنے لگا تو جھوٹا ہے بخدا تو خزرجی کو نہ مار سکے گا اور نہ اس کے مارنے پر تو قادر ہو سکتا ہے اور اگر وہ تیری قوم کا ہوگا تو تو اسے مارنا پسند نہ کریگا۔ پھر سعید بن حضیر نے جو سعد کے چچا کے بیٹے تھے کھڑے ہو کر سعد بن عبادہ سے کہا تو جھوٹا ہے بخدا ہم اُسے مار

دیں گے اور تو منافق ہے کہ منافقوں کی طرف سے جھگڑتا ہے
عائشہ نے مزید کہا کہ اوس و خزرج کے قبیلے اتنے بھڑکے کہ لڑنے
پر آمادہ ہو گئے باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے
تھے۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں خاموش
کرتے رہے جب تک وہ خاموش نہ ہوئے بالآخر وہ خاموش
ہو گئے........"

اس کے بعد ہی بخاری میں اور حدیث ہے جس میں ایک انصاری عورت کا ذکر ہے جو اپنے بیٹے کی شکایت عائشہ کی ماں ام رومان سے کرتی ہے کہ وہ بھی تہمت لگانے میں شریک ہے۔

بخاری میں ایک اور حدیث ہے جس میں حضرت حسان کے تہمت میں شریک ہونے کا ذکر ہے۔ یہ حدیث بھی قابل توجہ ہے۔

"مسروق سے روایت ہے کہ ہم عائشہ کے ہاں گئے جبکہ
حسان ان کے پاس بیٹھے شعر سنا رہے تھے۔ اپنے اشعار
تشبیب کے پڑھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

حَصَانٌ رزانٌ مَا تُزَنُّ بِرِيبَةٍ
وَتُصْبِحُ غَرْثیٰ مِنْ لُحُومِ الْغَوَافِلِ

(معشوقہ صاحب وقار اور تیز فہم ہے۔ کسی کے شک سے تہمت نہیں
لگائی جاتی اور صبح کو بے خبر عورتوں کے گوشت سے بھوکی اٹھتی
ہے یعنی کسی کی غیبت نہیں کرتی، عائشہ نے حسان سے کہا یہ سچ
ہے مگر تو ایسا نہیں ہے مسروق کہتے ہیں میں نے عائشہ سے کہا
مگر تم کیوں اسے آنے دیتی ہو۔ حالانکہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے

والذی تولی کبرہ منھم لہ عذاب عظیم۔ عائشہ بولیں اندھے ہوجانے سے زیادہ اور کونسا عذاب ہوگا۔ پھر کہا حسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کفار سے جھگڑتا تھا اور ان کی ہجو کرتا تھا"

صحابہ میں حسان کا خاص مرتبہ ہے۔ رسول اللہ نے اس کے لئے دعا فرمائی تھی اللھم ایدہ بروح القدس (اے اللہ اسے روح القدس کی تائید عطا فرما) وہ دربار نبوت کا شاعر تھا جس نے شاعری میں ایک خاص کمال یہ دکھایا کہ قریش کے مقابلہ میں رسول کا دفاع کرتا تھا مگر بس طرح کہ کسی شعر میں رسول اللہ کے نسب و قرابت پر حرف نہیں آتا تھا حالانکہ کفار مکہ میں سے اکثر سے رسول اللہ کا قرابتی رشتہ تھا۔ لیکن یہ ہی حسان بی بی عائشہ کے بارے میں گمراہ ہوکر مدینہ کے منافقوں کا ہمنوا بن جاتا ہے۔ مگر حسان اپنے فعل پر پچھتایا اور بی بی عائشہ نے اُس کی دینی خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے درگزر سے کام لیا۔

سعد بن عبادہ کا بھی صحابہ میں بہت بلند مرتبہ ہے۔ وہ انصار میں قبیلۂ خزرج کے سردار تھے اور مدینہ میں رسول اللہ کے سب سے پہلے پناہ دینے اور مدد کرنے والے تھے۔ عقبہ کی بیعت میں بھی نمایاں تھے۔ ہر لحاظ سے قرآن کی آیت السابقون الاولون من المھاجرین والانصار کے مصداق تھے لیکن جب رسول اللہ نہایت اضطراب کی حالت میں منبر پر کھڑے ہوکر عبداللہ بن اُبی کے اتہامات اور دوسرے منافقین کے پروپیگنڈے سے حفاظت کے لئے صحابہ سے اپیل کر رہے تھے تو سعد بن عبادہ کے قبائلی جذبات ابھر آئے اور انہوں نے مسجد نبوی میں جاہلیۃ کا ایسا مظاہرہ کیا کہ بخاری کی حدیث میں بی بی عائشہ کے الفاظ ہیں" اس قضیہ سے پہلے وہ نیک مسلمان تھے مگر اس وقت قبائلی حمیت اور غرور نے ابھار دیا"

سعد بن عبادہ کی اسلامی خدمات نہایت شاندار ہیں مگر ان کی زندگی میں ا
بھی ایسے بعض واقعات ہیں جب انہوں نے صحابیت کے معیار سے گرکر
اختیار کیا۔ مثلاً جب فتح مکہ میں اسلامی لشکر مکہ میں فاتحانہ داخلہ کر رہا تھا
رسول اللہ نے عام معافی کا اعلان کر دیا تھا۔ صرف ایک مختصر فہرست چند آدمی
کی ایسی تیار کی تھی کہ اس میں جن مجرموں کے نام تھے وہ معافی کے اعلان سے مستثنیٰ
تھے۔ آپ کے الفاظ تاریخ کے صفحات میں جگمگا رہے ہیں۔ الیوم یوم المرحمۃ
(آج کا دن مرحمت کا دن ہے) لیکن سعد بن عبادہ اسلامی لشکر کے علمبردار
تھے۔ انہوں نے مکہ میں داخل ہوتے ہوئے اعلان کر دیا الیوم یوم الملحمہ (آج
کا دن انتقام کا دن ہے) سعد بن عبادہ کے اس اعلان سے مکہ میں گھبراہٹ پھیلنے کا
اندیشہ ہوا۔ اطلاع رسول تک پہنچی خصوصاً ابو سفیان نے عرض کیا آپ نے
تو فرمایا تھا لاتثریب علیکم الیوم (آج تم سے کوئی انتقام نہیں ہے) مگر آپ
کا سردار علمبردار تو ایسا کہہ رہا ہے۔ حضور نے بہت غصہ فرمایا اور کہا کہ وہ
غلط کہتا ہے۔ اس سے جھنڈا لے لیا جائے۔ یہ جھنڈا سعد بن عبادہ سے لے
کر ان کے بیٹے قیس بن سعد کے ہاتھ میں دیا گیا۔ یہ وہی قیس ہیں جو معاویہ
کے مقابلہ میں حضرت علیؓ اور امام حسنؑ کی طرف سے لڑے اور امام حسن سے صلح کے وقت
معاویہ نے قیس کا سر طلب کیا تھا بلکہ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ ان کے دست و پا
زبان کاٹی جائے۔ لیکن امام حسن نے معاویہ کی یہ شرط قبول کرنے سے انکار
کر دیا تھا۔

سعد بن عبادہ نے مکہ میں داخل ہوتے ہوئے جو الفاظ کہے تھے (یعنی
الیوم یوم الملحمہ۔ آج انتقام کا دن ہے) تو اس میں رسول کی مخالفت کا کوئی
سوال نہ تھا۔ یہ ہو سکتا تھا کہ "انتقام" سے ان کا مطلب صرف اتنا ہی ہو کہ مکہ

اس اسلام کا آج قبضہ ہو رہا ہے جسے اہل مکہ نے جلا وطن کر دیا تھا یا ہو سکتا ہے کہ سعد بن عبادہ نے رسول اللہ کے عام معافی کے اعلان کو سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ اُن کے سامنے یہ حقیقت تھی کہ ان مکہ والوں نے مسلمانوں پر ظلم توڑے تھے آج یہ قابو میں آئے ہیں ان سے انتقام لینے کا وقت آگیا ہے۔ لیکن اس واقعہ میں ہی سعد بن عبادہ کی عظمت کا بھی ثبوت ہے۔ اور وہ اس طرح کہ انہوں نے بغیر عذر و حجت جھنڈا حضرت علی کے حوالے کر دیا جنہوں نے قیس کے سپرد کر دیا اگر سعد بن عبادہ اس معزولی پر اعتراض کرتے تو کافی ہنگامہ ہو سکتا تھا۔ وہ مدینہ کے ایک زبردست قبیلہ کے سردار تھے اور بہت با اثر آدمی تھے لیکن اُن کے طرز عمل نے ثابت کر دیا کہ رسول اللہ کے حکم کی پیروی ضروری سمجھتے تھے خواہ اس میں ذاتی توہین کا پہلو ہی کیوں نہ پیدا ہوتا ہو۔

مطلب یہ ہے کہ جن صحابہ کے شرف و عظمت پر قرآن گواہ ہے اُن سے بھی فاش غلطیاں سرزد ہوتی تھیں۔ کبھی یہ غلطیاں اجتہادی ہوتی تھیں اور کبھی انسانی لغزشوں کے باعث یہ فیصلہ اس لئے غلط ہے کہ ان کے افعال پر تنقید نہیں کی جا سکتی۔ دور اوّل کے صحابہ بھی تنقید سے بالاتر نہیں ہیں۔ اگر ان کے بعض اعمال پر تنقید نہ کی جائے تو اسلامی تعلیمات کے متعلق غلط فہمیاں پھیلنے کا اندیشہ ہے۔

اہل سنت والجماعت میں ایک گروہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ کسی صحابی کے فعل پر تنقید کرنا ناجائز ہے۔ یہ گروہ معاویہ پر ہر قسم کی نکتہ چینی کو خلاف اصول قرار دینے میں یہ ہی دلیل پیش کرتا ہے۔ چونکہ معاویہ السابقون الاولون یا بدری صحابہ میں نہیں ہیں اس لئے اُن کی بحث درجہ دوم و سوم کے صحابہ میں آئے گی۔ لیکن صحابیت کے مرتبہ کو حد انسانیت سے بھی آگے بڑھانے والے یہ لوگ سعد بن عبادہ کے اس طرز عمل کی نسبت کیا کہیں گے جو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی

خلافت کے متعلق اختیار کیا۔ سعد بن عبادہ نے نہ صرف حضرت ابوبکر کی خلافت کو ماننے سے انکار کیا بلکہ اپنی وفات تک حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز تک پڑھنی گوارا نہ کی حضرت عمرؓ نے اُن کے قتل کا مشورہ دیا تھا مگر حضرت ابوبکر صدیق نے سعد بن عبادہ کے مرتبہ جلیلہ اور اسلامی خدمات کی خاطر یہی فیصلہ کیا کہ اُن سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

حدیثوں کا وقت و سببِ ورود

صحابہ کے مسئلہ میں بعض غلط فہمیاں ایسی بھی ہیں جو حدیثوں کے مالہ وماعلیہ اور خصوصاً سبب ورود پر توجہ نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ گزشتہ صفحات میں ایک حدیث کی شرح پیش کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ اُس حدیث میں جن صحابہ کی مذمت نہ کرنے کا تذکرہ ہے وہ صحابہ وہ ہیں جن کی زندگیاں بڑے امتحانوں سے گزری ہیں اور وہ زیادہ تر دور اول کے صحابہ تھے جن کی فضیلت پر خود قرآن گواہ ہے۔

بعض احادیث ایسی ہیں جن میں سبب ورود اور وقت ورود کا کوئی اشارہ نہیں ہوتا۔ بعض میں اشارہ ہوتا ہے مگر ناکافی ہوتا ہے اور بعض میں پوری تصریح ہوتی ہے۔ لیکن جن احادیث میں کافی تصریحات نہیں ہوتیں اُن کا سبب ورود تاریخ، سیرت۔ یا بعض دوسری احادیث سے مل جاتا ہے۔ اور بعض احادیث میں ایسے اخلاقی یا شرعی اصول ہوتے ہیں کہ اُن کی افادیت بغیر سبب ورود جانے بھی ہوتی ہے۔

صحابہ کی فرداً فرداً فضیلت کے متعلق کوئی حدیث نہیں ہے۔ یعنی کسی

ف سے یہ ثابت نہیں ہے کہ ہر صحابی خواہ وہ کوئی ہو اس حد تک قابل احترام
کہ اُس کے کیرکٹر یا اعمال کو تنقید میں ہی نہیں لایا جاسکتا اگر کوئی ایسی حدیث
تو اُس کا وقت یا سبب ورود دیکھنا چاہیئے۔ اس میں ان صحابہ کا ذکر ہوگا جو
ں ابتدا میں ایمان لائے اور شدید امتحانوں سے کامیابی کے ساتھ گزرے
ے۔ ان خاص صحابہ کے بھی اعمال پر اس شرط کے ساتھ نکتہ چینی کی جاسکتی
ہ کہ اُن کی نیت پر شبہ نہ کیا جائے اور اُن کی غلطیوں کو اجتہادی غلطیاں
سانی لغزشیں قرار دیا جائے۔ مطلب یہ کہ اُن کو معصوم نہ سمجھ لیا جائے

وہ صحابہ جو ابتدائی دور میں دائرہ اسلام میں آئے ان صحابہ سے بالکل
لف ہیں جو اسلام کے طاقتور ہونے کے بعد شریک ہوتے حالانکہ اصطلاح میں
د رسالت کے ہر دور کے صحابہ "صحابہ" ہیں۔

صحابیت کے معیار میں زمانہ کی رفتار کے ساتھ فرق ہوتا گیا۔ جنگ بدر
ے کے صحابہ کے عالی مرتبہ اور جنتی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ بدر میں شریک
ونے والوں نے بھی زندگی کے مختلف شعبوں میں غلطیاں کی ہیں مگر یہ اجتہادی
لطیاں ہیں اور اسلامی اصول کے لحاظ سے ان صحابہ کو ان اجتہادی غلطیوں
بھی اجر ملے گا۔ جنگ احد کو بھی اسی دور میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن معیار
فرق صاف نظر آتا ہے۔ بدر میں تعداد بہت کم تھی۔ اسلحہ کافی نہ تھے، مجاہدین
سواریوں سے محروم تھے، سامان خوراک اور دیگر جنگی ضروریات حاصل نہیں تھیں۔
اہدین کے مختصر لشکر کی جغرافیائی پوزیشن بھی میدان جنگ میں موافق
تھی۔ ان تمام باتوں کے باوجود جنگ میں کامیابی ہوئی۔ کیوں؟ اس لئے کہ جو
۳۱۳ مجاہدین تھے اُن کے دین و ایمان کا معیار بہت اعلیٰ تھا۔ جنگ سے قبل
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شبہ تھا کہ شاید مدینہ کے انصار ساتھ نہ دیں کیونکہ

عقبہ میں جو بیعت ان انصار نے کی تھی اُس میں صرف اتنا وعدہ تھا کہ مدینہ
اندر رسول اللہ کی جان کی حفاظت کریں گے مگر یہ جنگ مدینہ سے باہر
مگر اس وقت مقداد بن الاسود نے رسول اللہ کو یقین دلایا کہ آپ ا
رکھیں۔ بخاری کی حدیث اس طرح ہے:۔

"طارق بن شہاب روایت کرتے ہیں میں نے ابن مسعود سے سُنا وہ فرماتے تھے میں مقداد بن اسود کے ایک درجہ سے واقف ہوں۔ بخدا وہ مرتبہ مجھے دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ محبوب ہے (اور وہ یہ ہے) مقداد بن اسود نے اُس وقت جب جنگ کی ترغیب دے رہے تھے رسول اللہ سے کہا جس طرح موسیٰ کی قوم نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب جاؤ اور (قوم عمالقہ سے) لڑو ہم ایسا آپ سے نہیں کہیں گے بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں، آگے اور پیچھے ہر طرف لڑیں گے۔ ابن مسعود کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ کھل اٹھا۔ اور مقداد کی اس بات نے آپ کو خوش کر دیا۔"

(بخاری۔ کتاب المغازی۔ جنگ بدر)

ایک اور روایت میں ہے کہ سعد بن معاذ نے کہا کہ اگر آپ برک الغماد تک
جائیں تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔

اسلام پر یہ بہت ہی سخت امتحان تھا۔ رسول اللہ نے جنگ شروع کر
سے پہلے جو دعا مانگی تھی اس میں آپ کے یہ الفاظ تھے کہ اے اللہ اگر یہ م

ہلاک ہو گئی تو قیامت تک تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ مطلب
کہ آخری نبی ہیں اگر وہ اور اُن کے ماننے والوں کا یہ مختصر گروپ بدر
ہو جاتا ہے تو نہ کوئی نبی نیا آئیگا اور نہ توحید کے ماننے والے رہیں گے
بدر میں ایسے مسلمان تھے جن کی عظمت بے چوں وچرا تسلیم کی جاتی
ری کی ایک اور حدیث ہے:۔

"معاذ بن رفاعہ بن رافع زرقی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں جو بدری تھے جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر پوچھا تم بدریوں کو کب جانتے ہو۔ آپ نے فرمایا انہیں مسلمانوں میں زیادہ بزرگ جانتے ہیں یا کوئی اور کلمہ اسی کا ہم معنی کہا۔ جبریل نے کہا ایسے ہی وہ فرشتے زیادہ بزرگ ہیں جو بدر میں شریک تھے"

(بخاری۔ کتاب المغازی)

الغرض بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کے بڑے مرتبے ہیں۔ انتہا یہ ہے
عبداللہ بن عمر نے نماز جمعہ کی شرکت پر ایک بدری کی عیادت کو ترجیح دی تھی۔
لیکن جنگ بدر سے جنگ احد تک پہنچتے پہنچتے صاف معلوم ہوتا ہے کہ
کا معیار کسی نہ کسی حد تک گر گیا۔ معیار گرنے سے یہ مطلب نہیں کہ شرکائے
ں درجہ میں آ گئے تھے مطلب یہ ہے کہ مقابلتاً اُن کا معیار بحیثیت مجموعی
تھا۔ معیار کی گراوٹ کا اندازہ احد کے دو واقعات سے ہوتا ہے۔ ایک
جماعت صحابہ کو رسول اللہ نے ایک ایسے پہاڑی مقام پر تعینات کر دیا
ں سے دشمن کامیاب حملہ کر سکتا تھا اُس نے مال غنیمت کی لالچ سے اُس مقام
یا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن نے ہارتے ہارتے اُدھر سے حملہ کر کے جنگ کا پانسہ
اور مسلمانوں کو نقصان پہنچ گیا۔ دوسرے یہ کہ جیسے ہی افواہ اڑی کہ محمد

رسلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل ہو گئے تو صحابہ میں بھگدڑ پڑ گئی۔ اُس وقت اگر
ایک گروہ استقلال و جرات کے ساتھ دفاع نہ کرتا تو بری شکست ہو
خود صحابہ کو اپنی اس کمزوری کا ہمیشہ احساس رہا چنانچہ جب دو
میں حضرت عمر کے صاحبزادے نے ایک بدری کے بیٹے کے برابر حصہ طلب
حضرت عمرؓ نے یہ جواب دیا تھا کہ غزوۂ احد میں تیرا باپ میدان چھوڑ گیا تھا
کا باپ ثابت قدم رہا تھا۔ حضرت عمر بھاگنے والوں میں سے ہی تھے یہ روایت
نے النساب الاشراف میں دو ذرائع سے دی ہے۔ لیکن دوسری روایت
ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر نہ ان صحابہ میں تھے جو ثابت قدم رہ کر لڑتے رہے
نہ ان میں تھے جو بھاگ گئے بلکہ اُس گروہ میں تھے جو رسول اللہ کی شہادت
سُن کر مایوسی کے عالم میں ہتھیار ڈال کر بیٹھ گئے تھے مگر جیسے ہی اطلاع ملی کہ
زندہ ہیں تو دوڑ کر اُن کے پاس آ گئے۔

ان واقعات کی تہ میں خواہ کچھ بھی محرکات ہوں مگر جنگ احد کے وا
سے اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ بدر سے احد تک وقت کی رفتار اور حالات
تبدیلیوں نے صحابیت کے معیار کو کچھ نہ کچھ ضرور گرا دیا تھا۔ اُحد کے وقت بھی
کا سماج تاریخ کے صفحات میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا مگر جیسے جیسے تعداد
بڑھتی جاتی تھی معیار صحابیت میں فرق آتا جاتا تھا۔

غزوۂ احد کے وقت صحابہ کی تعداد کتنی تھی اس کا اندازہ مشکل ہے۔
احد میں سات سو صحابہ شریک بتائے جاتے ہیں مگر بعض روایات سے انداز
ہے کہ ایسے صحابہ بھی کافی تھے جو احد کی جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے
بھی ایک لحاظ سے معیار کا تنزل تھا کیونکہ بدر میں تقریباً سب ہی صحابہ میدان جنگ
میں آ گئے تھے۔ صرف ایک عثمانؓ ایسے تھے جن کو بعض بیماریوں کی خاطر

چھوڑ دیا گیا تھا۔ داضح رہے کہ جس طرح کفار کے لشکر کی تعداد بدر میں زیادہ تھی اسی طرح احد میں بھی تھی۔ کفار کی فوج تین ہزار تھی جس میں دو سو سوار اور سات سو زرہ پوش تھے۔ اسلامی لشکر کی تعداد صرف سات سو تھی جس میں دو سو سوار اور صرف ایک سو زرہ پوش تھے۔ ظاہر ہے کہ مزید صحابہ کو اس وقت آنا چاہئے تھا اگر بدر والا معیار موجود تھا۔

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک سات سو سے زیادہ صحابہ ہو چکے تھے۔ بخاری میں حسب ذیل حدیث ملاحظہ ہو:۔

"حذیفہ سے روایت ہے کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنے لوگ دائرہ اسلام میں آ چکے ہیں ان کے نام لکھو چنانچہ ہم نے ایک ہزار پانسو مردوں کے نام لکھے پھر ہم نے اپنے دل میں کہا کہ کیا اب بھی ہم اپنے دلوں میں کافروں کا خوف کریں حالانکہ ہم ایک ہزار پانچ سو مرد ہیں۔ پھر بے شک ہم نے دیکھا کہ ہم مبتلا کر دیئے گئے یہاں تک کہ کوئی آدمی مارے خوف کے تنہا نماز نہ پڑھتا تھا"

"اعمش کی روایت میں یہ تعداد پانچ سو ہے ابو معاویہ کی روایت میں چھ سو اور سات سو کے درمیان" ہے

اگرچہ بخاری کی ان روایتوں میں تعداد کا اختلاف ہے جس میں اتفاق پیدا کرنے کے لئے محدثین نے موشگافیاں کی ہیں کیونکہ وہ بخاری کی کسی حدیث کو بھی واقعاتی اعتبار سے غلط ماننے کے لئے تیار نہیں۔ صحیح مسلم میں مسلمانوں کی گنتی کرنے کا حکم ہے۔ لیکن یہاں نہ ہمیں اس اختلاف سے بحث ہے کہ تعداد کتنی تھی اور نہ محدثین کے اس اختلاف سے چنداں مطلب ہے کہ مسلموں کی یہ مردم شماری کس وقت ہوئی تھی۔ چونکہ جنگ احد میں مجاہدین کی تعداد سات سو تھی لہذا پانسو اور چھ سو سے سات سو

سو تک والی روایتوں کو نظر انداز کر کے ایک ہزار یا پانچ سو والی روایت پر توجہ کرتے ہیں۔ اگرچہ اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ یہ مسلم شماری جنگ احد کے وقت، یا غزوۂ خندق کے وقت، یا صلح حدیبیہ کے وقت ہوئی تھی مگر ان تینوں تعدادوں کو غزوۂ خندق اور صلح حدیبیہ کے حالات کے منافی سمجھتے ہوئے اسی روایت پر توجہ کرتے ہیں جس میں اسے جنگ احد کے زمانہ میں بتایا گیا ہے۔

بہر کیف یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اگرچہ قریش پورے انتظامات اور پوری طاقت کے ساتھ اسلام کو مٹانے یا بدر کا انتقام لینے آئے تھے مگر مسلمانوں میں سے ایسے بہت تھے جو میدان جنگ میں نہیں آئے۔ یعنی صحابیت کا معیار کافی گرنے لگا تھا۔ ابتدائی دور کے صحابہ کا سا جوش بعد میں آنے والے صحابہ میں نہیں تھا۔

جنگ احد میں جو نقصان مسلمانوں کو پہنچا وہ ان ہی دوسرے درجہ کے صحابیوں کی پست معیاری کے باعث پہنچا جہاں رسول اللہ نے تیر اندازوں کو تعینات کیا تھا وہاں ہدایات بالکل واضح دی گئی تھیں۔ ان پچاس تیر اندازوں کے سردار عبداللہ بن جبیر تھے۔ جب یہ اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت کے لئے جانے لگے تو ان کے سردار عبداللہ بن جبیر نے اُن کو تنبیہ کیا کہ رسول اللہ نے ہماری ڈیوٹی یہاں مقرر کر کے ہدایت کر دی ہے کہ کسی حال میں بھی یہاں سے نہ ہٹیں۔ بخاری کی حدیث میں یہ تمام تصریحات موجود ہیں۔ مگر عبداللہ بن جبیر کی اس تنبیہ کے باوجود یہ تیر انداز جو سب صحابی تھے، لوٹ میں مصروف ہو گئے اور اس اہم مورچہ کو خالی پا کر خالد نے جو اُس وقت کفار میں تھے، ایک دستہ کے ساتھ اسلامی لشکر کے عقب پر اچانک حملہ کر دیا اور فتح شکست میں بدل گئی۔ اگرچہ یہ تیر انداز مکرر لکھا جاتا ہے کہ یہ صحابی تھے اور ان میں صحابیت کے وہ اوصاف پائے جاتے

تھے جن پر تمام محدثین کا اتفاق ہے، ہدایات پر عمل کرتے اور لوٹ کی لالچ میں نہ آتے تو نہ رسول اللہ زخمی ہوتے، ورنہ متعدد جلیل القدر صحابہ شہید ہو سکتے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ان صحابہ کا یہ طرز عمل قابل مذمت نہیں اور کیا اس کو مؤرخین، محدثین اور سیرت نگار نظر انداز کر دیں گے۔ اور اُن لوگوں کی عقل پر تو ماتم کرنا چاہیئے جنہوں نے جھوٹی حدیثیں گھڑ کے یہ اصول قائم کر لیا کہ کسی صحابی کی بھی تقلید کرو تو ہدایت کے لئے کافی ہے (بایہم اقتدیتم اھتدیتم) اس کے یہ معنی ہوں گے کہ غزوۂ احد کے ان تیر انداز صحابیوں کا یہ خطرناک فعل بھی قابل تقلید ہے۔ اس موضوع حدیث کی بحث آگے آئے گی۔ یہاں تو ہم صرف اتنی حقیقت کی طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ صحابیت کا معیار بحیثیت مجموعی بدر سے احد تک کتنا گر گیا۔

دور اوّل کے صحابہ کا معیار بلند تھا پھر جیسے جیسے نیا عنصر آتا گیا کچھ نہ کچھ اثر معیار پر پڑتا گیا لیکن بحیثیت مجموعی سماجی نمونہ اب بھی بہترین اور عدیم المثال تھا۔ صرف انفرادی مثالیں ایسی ملنے لگیں جن کے اعمال پر تنقید کی جا سکتی تھی۔ اور تنقید کی ترازو میں ان کو تولنے پر یہ ہلکے ثابت ہوتے تھے۔

ذیل کی حدیث میں ایک اور نمونہ ملاحظہ کیجئے۔ یہ سب سے الگ ہے:۔

> "ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے تو آپ نے ایک شخص کو منجملہ اُن لوگوں کے جو اسلام کا دعویٰ کرتے تھے فرمایا کہ یہ دوزخیوں میں سے ہے۔ چنانچہ جب جنگ شروع ہوئی تو اُس نے بہت سخت جنگ کی پھر وہ زخمی ہوا تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ جس شخص کی نسبت آپ نے فرمایا تھا کہ وہ دوزخیوں میں سے ہے اُس نے تو آج بہت سخت جنگ کی اور

مر گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں گیا۔ ابوہریرہ کہتے ہیں قریب تھا کہ بعض لوگ شبہ کریں کہ یکایک کسی نے کہا وہ ابھی نہیں مرا بلکہ اُس کے سخت زخم لگا ہے۔ پھر جب رات ہوئی تو وہ زخم کی تکلیف پر صبر نہ کر سکا اور اُس نے خودکشی کرلی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر کی گئی تو آپ نے فرمایا اللہ اکبر میں شہادت دیتا ہوں اس امر کی کہ میں خدا کا بندہ اور اُس کا رسول ہوں۔ بعد اس کے آپ نے بلال کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کر دیا کہ جنّت میں سوائے مسلم کے کوئی داخل نہ ہوگا اور اللہ اس دین کو فاجر آدمی سے بھی مدد پہنچاتا ہے"

(بخاری۔ کتاب الجہاد)

اس حدیث کے کئی پہلو قابل توجہ ہیں۔ اوّل یہ کہ جس "فاجر" کا اس حدیث میں ذکر ہے اُس نے تکلیف کے باعث صرف خودکشی کی تھی جو گناہ کبیرہ ہے مگر اسلام سے ارتداد کا فیصلہ نہیں کیا تھا لیکن اُس کے دوزخی ہونے کے ساتھ ہی رسول اللہ نے یہ تصریح فرمائی کہ جنّت میں سوائے مسلم کے اور کوئی نہیں جائے گا۔ گویا کہ خودکشی کے گناہ کبیرہ کے باعث وہ ایک مجاہد مسلمان ہونے کے باوجود کافر ہوگیا۔

یہ ایک صحابی تھا اور صحابی بھی ایسا جس نے اسلام کے لئے جہاد میں شجاعت کا مظاہرہ کیا تھا مگر آخر وقت کے فعل نے اسے دوزخ کا مستوجب ٹھہرا دیا۔ اس سے اُن "صحابہ" کی حالت کا اندازہ کیجئے جو عہد رسول میں تو خاموشی کے ساتھ نماز، روزہ ادا کرتے تھے مگر عہد رسالت کے بعد اُن کا طرز عمل خلاف تعلیمات اسلام ہوگیا تھا۔ کیا ان کا دوزخ میں جانا بعید از قیاس ہوگا؟ کیا یہی لوگ وہ "صحابہ" نہیں ہوسکتے جن کے دوزخ میں جاتے وقت رسول اللہ انہیں پہچان کر چلائینگے

کہ "میرے اصحاب میرے اصحاب انہیں دوزخ میں کہاں لئے جاتے ہو!" اور جواب ملے گا کہ تمہیں نہیں معلوم کہ تمہاری وفات کے بعد یہ کس طرح اصول اسلام سے پھر گئے تھے۔

ایک ایسے آدمی کے لئے جو رسول اللہ کی صحبت میں رہا، اسلام کے لئے نہایت جوش اور بہادری کے ساتھ جہاد کیا مگر خودکشی سے مر گیا "صحابی" کا لفظ استعمال ہوگا یا نہیں؟ صحابی کی اصطلاح کا اطلاق صرف اُن لوگوں پر ہوتا ہے جنہوں نے بقول امام بخاری "رسول اللہ کو دیکھا یا صحبت اٹھائی اور مسلم مرا" اس تعریف کے تحت یہ "فاجر" آتا ہے یا نہیں اس سوال کا جواب مشکل ہے۔ بہرحال یہ بھی ایسے صحابہ کی قسم ہے جن کا انجام یہ ہوا کہ وہ دوزخ میں گئے اگرچہ اُن سے اسلام کو فائدہ بھی پہنچا ہو۔

چونکہ یہ واقعہ عہدِ رسالت کا ہے اس لئے رسول اللہ کی موجودگی کے باعث سارا معاملہ صاف ہوگیا لیکن ایسے صحابی ہو سکتے ہیں جن کا طرزِ عمل رسول اللہ کی زندگی میں اچھا ہو مگر وفات کے بعد ان صحابیوں کے قابلِ اعتراض اعمال بعض لوگوں کے نزدیک واضح ہو جائیں اور بعض کے نزدیک واضح نہ ہوں اور اُن کے متعلق اختلاف پیدا ہو جائے۔ یہ واضح رہے کہ حدیث کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ جب اُس صحابی کی موت کی خبر ملی تو صحابہ کو خود رسول اللہ کے بیان کی صداقت پر شبہ ہونے لگا تھا کیونکہ اطلاع یہ تھی کہ وہ اسلام کے لئے قتال کرتے کرتے مر گیا۔ صحابہ اُس کے دوزخی ہونے پر شبہ کرنے لگے حالانکہ رسول اللہ اُسے دوزخی بتا چکے تھے۔ بخاری کی حدیث کے الفاظ ہیں فکاد بعض الناس ان یرتاب (بعض لوگ شک کرنے لگے) مگر جب دوسری صحیح خبر آئی کہ وہ میدان جنگ میں مرا نہیں تھا بلکہ صرف زخمی ہوا تھا اور رات میں زخم کے درد کی تاب نہ لاکر

خودکشی کر کے مر گیا تو یہ نئی خبر جس نے اُس کے دوزخی ہونے کا ثبوت پیش کر دیا سُن کر حضور کہہ اُٹھے لے

اللہ اکبر اشہد انی عبد اللہ — اللہ اکبر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں

ورسولہ (کتاب الجہاد) — اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہوں

اس حدیث کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اکابر صحابہ کسی فاجر کے دوش بدوش اسلام کے لئے جہاد کریں تو اس سے فاسق و فاجر رفیق کو بلا لحاظ اعمال کوئی اہمیت حاصل نہیں ہو جاتی۔ مثلاً یزید بن معاویہ کے بعض حامی اس بنا پر اُس کی فضیلت ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب انصاری جیسے جلیل القدر صحابی نے یزید کے ساتھ قسطنطنیہ کے جہاد میں شرکت کی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فاجر کے ساتھ جلیل القدر صحابہ بھی تھے مگر وہ دوزخی ثابت ہوا۔

اگر آپ کہیں کہ یزید اُس لشکر کا سردار تھا جس میں حضرت ایوب انصاری شریک تھے۔ تو ایسی احادیث بھی ہیں جن سے فاسق و فاجر کی سرداری بھی نیک لوگوں کو قبول کرنی پڑتی ہے۔

یہ سرداری دینی عظمت کے اصول پر صرف ابتدائے اسلام میں ہوتی تھی لیکن بعد میں اسلامی حکمران نالائق اور اسلامی لحاظ سے پست درجہ کے لوگوں کو قرابت یا جماعت بندی کے اصول پر سردار بنانے لگے۔ کسی علاقہ کا گورنر، کسی فوج کا جنرل، یا نماز و حج کا امام بنانے میں دینی عظمت کو نظر انداز کرنے لگے۔ یزید کو بھی معاویہ نے قسطنطنیہ کی مہم میں امیر لشکر بناتے ہوئے یزید کے فسق و فجور

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض باتیں مستقبل کی معلوم ہو جاتی تھیں مگر سب نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ یہ بحث اعلام نبوۃ کے ذیل میں آئیگی۔

کا کوئی لحاظ نہیں کیا تھا۔

یزید کا فسق و فجور تو ایک مسلمہ حقیقت ہے مگر معاویہ کے بارے میں بعض لوگوں کو اختلاف ہے۔ مگر ذیل کی حدیث میں ایک جلیل القدر صحابی کے جذبات معاویہ کے متعلق پڑھیئے۔ اس میں عبادہ بن صامت انصاری معاویہ کی سرکردگی میں روم کے خلاف ایک جہاد میں شریک ہوتے ہیں۔ وہ معاویہ کو اچھا آدمی نہیں سمجھتے مگر اس کے باوجود معاویہ کی سرکردگی میں جہاد میں ضرور شریک رہتے ہیں حدیث ملاحظہ ہو۔

ان عبادة بن الصامت الانصاری النقیب صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزا مع معاویہ ارض الروم فنظر الی الناس وھم یتبایعون کسر الذھب بالدنانا وکسر الفضة بالدراھم فقال ایھا الناس انکم تاکلون الربا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاتبتاعوا الذھب بالذھب الا مثلاً بمثل لا زیادة بینھما ولا نظرہ فقال له معاویة یا ابا الولید لا اری الربا فی ھذا الا ما کان من نظرة فقال عبادة احدث عن رسول اللہ صلی اللہ

عبادہ بن صامت انصاری نقیب اور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگ میں معاویہ کے ساتھ شریک ہوئے جو ارض روم میں ہوئی۔ انہوں نے دیکھا کہ لوگ سونے کے ٹکڑے دیناروں اور چاندی کے ٹکڑے درہموں سے خرید و فروخت کر رہے ہیں۔ انہوں (عبادہ) نے کہا اے لوگو تم تو سود کھا رہے ہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مت خرید و فروخت کرو سونے کی سونے سے مگر یہ کہ برابر وزن میں ہو نہ اس میں زیادتی ہو نہ ادھار معاویہ نے عبادہ سے کہا اے ابا ولید میری رائے میں یہ سود نہیں

علیہ وسلم رتحل ثنی عن رایک لئن اخرجنی اللہ لااساکنک بارض لک علی فیھا امرۃ فلما قفل لحق بالمدینۃ
(ابن ماجہ[1])

ہے سوائے اس کے کہ ادھار ہو۔ عبادہ نے کہا میں تو رسول اللہ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم اس کے مقابل مجھے اپنی رائے بتا رہے ہو اگر اللہ نے مجھے بچایا تو اس سرزمین میں نہیں رہوں گا جس میں مجھ پر تمہاری حکومت ہو جب وہ لوٹے تو مدینہ چلے گئے۔

حدیث میں مزید ہے کہ جب عبادہ بن صامت مدینہ آ گئے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ کیوں آ گئے تو عبادہ بن صامت نے سارا واقعہ سُنایا جس پر حضرت عمر نے اُن سے درخواست کی کہ آپ واپس جائیے آپ نہ ہوں گے تو وہاں کی برکت جاتی رہیگی اور معاویہ کو تنبیہہ کرتے ہوئے لکھا کہ یہ وہاں رہیں گے مگر ان پر تمہارا اقتدار نہ ہوگا۔

عبادہ بن صامت بڑے جلیل القدر صحابی تھے نقبا اور بدریوں میں سے ہیں انہوں نے معاویہ کے متعلق ایسی بری رائے قائم کی مگر اُن کے لشکر سے الگ نہیں ہوئے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی جلیل القدر صحابی کا کسی پست مرتبہ کے امیر کی قیادت میں جہاد کرنا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ امیر لشکر قابل احترام ہے۔ اس طرح حضرت ابو ایوب انصاری نے اگر یزید کے ماتحت کسی جہاد میں شرکت کی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ابو ایوب یزید کو اچھا آدمی سمجھتے تھے۔

ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غلط قسم کے امیروں اور اماموں نے جگہ جگہ اپنا اقتدار قائم کرنا شروع کر دیا تھا یہاں تک کہ بعض صحابہ اُن کے پیچھے نماز بھی صرف خوف کے باعث پڑھتے تھے ورنہ اصل نماز الگ پڑھ لیتے تھے۔ یہ حدیث ملاحظہ ہو

---

[1] سنن ابن ماجہ میں یہ دوسرا ہی باب ہے "تعظیم حدیث رسول اللہ والتغلیظ علی من عارضہ"

عن حذیفہ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکتبوا الی من تلفظ بالاسلام من الناس فکتبنا لہ الفا و خمسمائۃ رجل فقلنا نخاف و نحن الف و خمسمائۃ فلقد رائیتنا ابتلینا حتی ان الرجل لیصلی وحدہ وھو خائف

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لئے اُن لوگوں کے نام لکھ دو جو اسلام لائے ہم نے ان کو ڈیڑھ ہزار کی فہرست تیار کردی۔ ہم کہنے لگے کہ کیا اب بھی ہم ڈریں گے جبکہ ڈیڑھ ہزار ہیں مگر ہم امتحان میں ڈال دیئے گئے یہ حالت ہوئی کہ ڈر کے مارے آدمی اکیلا نماز پڑھتا تھا۔

بخاری کی اس حدیث میں "ڈر کے مارے اکیلا نماز پڑھنے" کی تشریح میں ابن حجر عسقلانی نے یہ بتایا ہے کہ عہد خلافت عثمانؓ کے آخری حصہ میں بعض ایسے لوگ امیر بنا دیئے گئے تھے مثلاً کوفہ میں ولید بن عقبہ جو نماز بہت دیر سے پڑھتے تھے یا ٹھیک طرح نہیں پڑھتے تھے تو بعض محتاط لوگ اپنی نماز خفیہ طور سے علیحدہ پڑھ لیتے تھے اور امیر کے پیچھے بھی اس ڈر سے شریک ہو جاتے تھے کہ عدم شرکت سے امیر کے معتوب نہ ہوں۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اپنی خلافت کے آخری دور میں خود حضرت عثمان نے سفر میں پوری نماز شروع کردی تھی اور بعض لوگ قصر کرتے تھے تو انکار کے خوف سے ایسا خفیہ طور کرتے تھے"

اس حدیث سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا صحابہ کی صحابیت کا معیار گرتا گیا۔ اُن کے اثر و اقتدار میں اتنی کمی آگئی کہ امرا کے خوف سے وہ نمازیں تک خفیہ ادا کرنے لگے کیونکہ جس طرح وہ ادا کرنا چاہتے تھے اس طرح علانیہ نماز ادا کرنے میں خطرات تھے۔

ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ سے ادا میں خصوصاً نقص پیدا ہوا اور صحابہ کا اثر معاویہ کے زمانہ میں بہت مجروح ہوگیا۔